ماتحت صوفیانہ طرز کی نظمون کا ایک مجموعہ ہے جناب ابوالاعظم سید احمد حسین صاحب امجد نے ہر پیوند مین کوئی نہ کوئی راز حقیقت ظاہر کیا ہے، گرعموماً زبان معانی کی متحمل نہین ہوسکتی ہے، اسی طرح اسرار وحقایق کے بار امانت نے اکثر اشعار اور مصرعون کی موزونیت کا پلہ بھی جھکا دیا ہے، تاہم ؎

؎ گدڑی مین مری جڑی ہین لاکھون آنکھین

یعنی اس خرقہ کو دیکھنے سے چشم بصیرت کھل جائیگی، قیمت خرقہ قسم اول ۱۲ قسم دوم ۸ لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ، پتہ سید احمد حسین صاحب امجد صابر منزل کوچہ فتح اللہ بیگ حیدرآباد دکن،

صنعت قادری مولوی شمس الحق صاحب قادری رحمانی (ارنہ پٹنہ) کو صنعت و حرفت کے ساتھ خاص دلچسپی ہے، ان کو ہمیشہ یہ فکر رہا کرتی ہے کہ کس طرح ہندوستان کو بہت جلد ایک صنعتی ملک بنا دیا جائے پٹنہ مین انھون نے ایک کمرشیل ٹکنیکل اسکول بھی قائم کیا ہے قادری صاحب نے کہین باقاعدہ اس فن کی تعلیم نہین پائی، مگر ذاتی دلچسپی اور مشاقی کے باعث انھون نے کافی مہارت پیدا کرلی ہے صنعت قادری مین انھون نے موزہ کی مشین کو استعمال کرنے کا طریقہ بتفصیل بتایا ہے، جسمین انھون نے اپنے ۱۲ سالہ تجربہ کو جمع کردیا ہے جو لوگ موزہ بافی سیکھنا چاہین ان کو یہ کتاب ضرور منگانی چاہئے، قیمت ۸ پتہ قادری کمرشیل انسٹی ٹیوٹ محلہ رنہ، ڈاکخانہ مرادپور، پٹنہ

سیر الصحابیات

از

مولوی سعید انصاری

جس مین نہایت مستند حوالون سے ازواج مطہرات بنات طاہرات اور عام صحابیات کے سوانح اور ان کے اخلاقی مذہبی، اور علمی کارنامے درج ہین، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ ضخامت ۲۲۵ قیمت ۱۲

"منیجر"

مجلد چہاردہم | ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۲۴ء | عدد پنجم

مضامین

حیات مالک

امام مالک کے سوانح، مدینہ کی علمی مجلسین صحابہ اور تابعین کا علمی انہماک حدیث کی تدوین مدینہ کی فقہ، اسلاف کے اخلاق کی تصویر اور حدیث کی پہلی کتاب موطا کی خصوصیات اس کتاب مین نظر آئینگی، قیمت ۸ "منیجر"

شذرات

آہ! ابو الحسنات ندوی

ہمارے لیے یہ کتنا غمناک سانحہ ہے کہ آج ہمارا قلم اس کا ماتم کرے، جسکا قلم کل تک قوم و ملت کا ماتم گسار تھا، ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ کا واقعہ ہے کہ مولوی ابوالحسنات ندوی نے اس عالم آب و گل کو خیرباد کہا، وہ ہماری کوششون، اور **ندوہ** اور **دار المصنفین** کی تعلیم و تربیت کی سب سے بڑی کمائی تھے، انکی موت نے ہماری محدود علمی مجلس کو وہ صدمہ پہنچایا ہے جسکی تلافی شاید آخر وقت تک نہو سکے، اب جب دن آئے تھے، کہ ڈ ملک و قوم کی دماغی و ذہنی رہبری کر سکین تو یک بیک دست قضا نے ہم سے وہ ہمارا سرمایہ چھین لیا جس سے ہم بڑی توقع رکھتے تھے،

مولوی ابوالحسنات، ایک نہایت ہی ذہین، طباع اور بلند حوصلہ نوجوان تھے، ندوہ کی تعلیم کے بعد ۱۹۱۸ء مین وہ یہان آئے اور آخر دم تک اونکا رشتہ اسی علمی مجلس سے بندھا رہا، یہان رہکر اُنھون نے جو علمی مضامین لکھے ہین، وہ تاریخی حیثیت سے ہمیشہ یادگار و قابل مطالعہ رہین گے، تحریک خلافت کے سلسلہ مین اُن کے مضامین نے خاص اہمیت حاصل کر لی تھی، اور وہ "ترک اور خلافت" کے نام سے کتابی صورت مین شایع ہو گیے تھے، اسکے علاوہ ہندوستان کے اسلامی مدارس پر ایک پر از معلومات مبسوط مضمون لکھا تھا جسے وکیل امرتسر شایع کرنیوالا ہے اس کے ساتھ ہی اورنگ زیب کے خطوط کی ترتیب کا کام شروع کر رہے تھے، لیکن پانچ سال کی مسلسل علالت نے انکی امیدون کے برآنے کا موقع نہ دیا اور وہ اپنے خیالات اپنے ساتھ لیگئے، زمانۂ علالت ہی مین اُنھون نے جمال الدین افغانی کی سوانحعمری کا مواد بھی جمع کرنا شروع کیا تھا، مگر افسوس کہ زمانہ نے ان کو کچھ کرنے کی مہلت نہ دی

انھون نے شاعرانہ طبیعت پائی تھی، فارسی کے ساتھ خاص ذوق تھا، اور انکی فارسی و اردو کی غزلین، قصائد اور ترکیب بند عرصہ تک پڑھنے والون کے دلون کو گرم رکھین گے،

مرحوم پانچ سالون سے مسلسل بیمار تھے، ابتدا مین پاؤن مین درد ہوا، وہ درد زخم ہوا، اس زخم نے ناسُور کی صورت اختیار کر لی، اس کے ساتھ ہی بخار رہنے لگا، علاج کے لیے انھون نے کلکتہ، لکھنو، وغیرہ کے طویل سفر کیے، اسی سلسلہ مین وہ راجگیر (بہار) کے پہاڑی مقام پر گیے ہوئے تھے، کہ وہان کی خاک نے اس قیمتی گوہر کو ۱۲ ربیع الثانی کو ہمیشہ کے لیے اپنے آغوش مین لے لیا، ان کا وطن بہار تھا وہین پیدا ہوئے اور وہین سپرد خاک بھی، خاندان مین صرف ایک بھائی ہین، خداوند تعالی مرحوم کو جوار رحمت مین جگہ عطا فرمائے کہ ہمارے پاس اس دعا کے سوا اور کیا ہے،

گذشتہ ماہ مین صوبہ متحدہ کے ایک شہر مین ہندی کی ترویج کے لیے جو انجمن ہے اس کا اجلاس ہوا، اس کے شرکا مین ہم کو اہل علم اصحاب کے علاوہ بعض امرا و والیان ریاست کے نام بھی ملتے ہین، جلسہ کی روداد بتاتی ہے کہ فدائیان ہندی اوسکی توسیع، و ترویج مین ہر ممکن کوشش کر رہے ہین اور اگر یہی لیل و نہار ہین تو شاید وہ دن دور نہین جب اردو کو اپنی جگہ چھوڑ کر ہندی کو دیدینی پڑے قدر دانان ہندی نے تمام ہندوستان مین اسکی شاخین قائم کر دی ہین، اور ہر ضلع اور ہر صوبہ کی مجلس اپنے کام مین مشغول ہے، مدارس مین، دفاتر مین، عدالتون مین، مجالس مین، ہر جگہ اسی کی مقبولیت کی کوشش کیجا رہی ہے، ہمارے سامنے ایسے صوبے بھی ہین جہان ہندی کو کوئی جانتا بھی نہین لیکن وہان کی عدالتی زبان مین آپ ہندی کا نام پائین گے صوبہ متوسط کی عدالتی زبان ہندی ہے، بنگال مین بھی اس کو دخل ہے، بہار پر اس کا قبضہ ہے، اودھ، اگرہ، اور پنجاب مین یہ مساویانہ حقوق سے زیادہ رکھتی ہے، اور یہ کوشش خاموش طریقہ سے جاری ہے کہ ہر جگہ اسی کو

اصل زبان قرار دیدیا جائے، مدراس مین "ہندی" وغیرہ کی تعلیم کے لیے خاص خاص مدارس قائم کیے گیے ہین اور حال مین بنارس کے ایک قوم پرور ہندو رئیس نے تو اس کی ترویج کے لیے دس لاکھ کی جائداد وقف کردی ہے

اردو لغت کا سب کو رونا ہی، مگر اب تک کچھ نہ ہوا، امیر اللغات نواب صاحب رامپور پر صدقہ ہوگئی محسن کاکوروی مرحوم کے لائق صاحبزادہ اور جانشین مولوی نور الحسن صاحب بی اے نور اللغات نام اردو کا ایک مبسوط لغت لکھ رہے ہین، اور غالباً دس بارہ برس سے وہ اس کام کے لیے کسی سرپرست کے طالب ہین، مگر نہین ملتا اور اُدھر زیادہ عرصہ ابھی نہین ہوا کہ ملک کے سامنے ہندی کے مبسوط لغت شایع کرنے کی تحریک ہوئی تو ہندو امرا تو الگ خود حکومت ہند اور ہندوستان کے مختلف صوبون نے جو گرانقدر رقمین دی ہین تفصیل یہ ہے:-

حکومت ہند	۵۰۰۰ روپے،	مہاراجہ کشمیر	۱۰۰۰ روپیہ
" ممالک متحدہ	۱۳۰۰۰ "	" بردوان	۱۰۰۰ "
" صوبہ متوسط	۸۰۰ "	" الور	۱۰۰۰ "
مہاراجہ بیکانیر	۱۵۰۰ "	" دربھنگہ	۱۰۰۰ "
" چھترپور	۱۵۰۰ "	" ریوان	۸۰۰ "
" گوالیار	۱۰۰۰ "	" بھاؤنگر	۵۰۰ "
		" اندور	۵۰۰ "

کیا ہندوستان کی حکومت اور مالیات مین اردو بولنے والون کا حصّہ نہین ہے؟ مگر اردو بولنے والون مین کوئی "معزز سائل" نہین، مسلمان امرا مین غور کیجئے تو حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم سرکار نظام اور

بیگم صاحبہ بھوپال کی حیات بخش زر ریزیون کو نکال دین تو نہ صرف اردو کی ترقی کا درخت بلکہ ہمارا تمام علمی باغ خشک ہوکر رہجائے، مگر صرف دو دریاؤن کی فیاضی، سات سمندرون کا مقابلہ کیونکر کرسکتی ہے؟ کیا دیگر مسلمان امرا اپنے رقیب راجاؤن کے ان کارنامون کا جواب دین گے؟

مادہ پرست یورپ نے گذشتہ جنگ کے تلخ تجربون کے بعد روحانیت کی طرف خاص توجہ کی ہو، تمام براعظم مین روحانیت کی بیداری کے لیے مختلف مجالس قائم کیگئی ہین اور ان سے تسکین قلب کا مداوا تلاش کیا جاتا ہے، حال ہی مین انگلستان کی مذہبی جماعت کے اکابر نے طبّی مجالس سے سوال کیا تھا کہ کیا انسان روحانی طریقون سے صحت و سکون حاصل کرسکتا ہے، جراثیم پرست ڈاکٹرون نے جواب دیا کہ نہین، اس جواب نے مذہبی حلقون مین ایک ہیجان پیدا کردیا اور ہر طرف سے روحانی قوت کے حامی چلّا اُٹھے کہ یہ فیصلہ غلط ہے، چنانچہ گذشتہ اکتوبر مین، انگلستان مین مذہبی رہنماؤن کی ایک بڑی مجلس منعقد ہوئی اور اُسنے زبانی اور عملی دونون صورتون سے ان مادہ پرستون کی تکذیب کی اور بتایا کہ درحقیقت صحت، اطمینان اور سکون صرف روح کی طمانیت کا نام ہے، اس مقدس مجلس کے ایک رکن مسٹر ہکسن نے کہا:

"جسمانی صحت تم کو سکون و اطمینان نہین دیسکتی، جب تک انسانی روح کو تسکین نہ ہو، کوئی شخص بھی خواہ وہ کتنا ہی مالدار ہو، اس کے پاس کتنے ہی قیمتی جواہرات ہون اور وہ کتنی ہی بڑی ریاست کا مالک ہو، حقیقی مسرت سے بہرہ اندوز نہین ہوسکتا"

تو کیا یورپ اب مادیت سے روحانیت کی طرف، کفر و الحاد سے حق و ایمان کی طرف آرہا ہے؛ اور کیا ایک مرتبہ پھر تمام دنیا خدا کی حکومت مین داخل ہوجائیگی، بدبخت مسلمان اس روحانیت کو چھوڑ کر مادیّت مین اپنے درد کا درمان تلاش کرنا چاہتے ہین، آج وہ جس یورپ کی پیروی و تقلید کو اپنا بہترین

نصب العین سمجھ رہے ہین، وہ خود اب اپنی ظاہری نمائش و عریانی سے تنگ آگیا ہے، اور اُسی گوشہ مین اکر پناہ لینا چاہتا ہے، جسے دنیا گوشۂ روحانیت کے نام سے یاد کرتی ہے، ہم کو اغیار کی تقلید نے برباد کر رکھا ہے، اور اگر ہم اپنی رسم دیرینہ ہی کے پابند رہین تو ہماری نجات اسی مین ہے،

ڈاکٹر ای، جی، براؤن سے ناظرین معارف اچھی طرح واقف ہین، گذشتہ ماہ مین ان کے سلسلۂ ادبیات ایران کی آخری کڑی بھی ہمارے سامنے آگئی ہے، ڈاکٹر براؤن نے ۱۸۸۰ء سے فارسی سیکھنا شروع کی اور جیسا کہ اُن کا بیان ہے اسی وقت سے ان کا خیال تھا کہ وہ ادبیات کی تاریخ لکھین، چنانچہ ۲۲ سالون کی مسلسل کوششون کے بعد ہم کو یہ چار جلدون کا بیش بہا مجموعہ ملا ہے، اس سلسلہ کی پہلی جلد جو ابتدائی عہد سے فردوسی تک کے حالات پر مشتمل ہے ۱۹۰۲ء مین شایع ہوئی، دوسری جلد جو مغل حملون تک کے حالات پر تھی ۱۹۰۶ء مین ہمارے سامنے آئی، اس کے بعد وہ ایران سے واپس چلے آئے، اور کیمبرج کے سرٹامس آدم کے عطا کردہ وظیفہ سے علوم مشرقی کی جو تعلیم دیجاتی ہے اس کے پروفیسر مقرر ہوئے اس اثنا مین انھون نے ایران، ایران کی شاعری پر کتابین لکھین، اور گب میموریل کی مختلف کتابون کو اڈٹ اور ترجمہ کیا، اس کے ساتھ ہی یہ سلسلہ جاری رہا اور ٹھیک ۱۴ سالون کے بعد دور مغلیہ کی تیسری جلد کیمبرج کے مطبع سے شایع ہو کر ۱۹۲۰ء مین ہم تک پہنچی، اس جلد مین ۱۲۶۵ء سے ۱۵۰۲ء تک کے علمی کارنامون کا تذکرہ ہے اور آج اس کے چار سال بعد اسی جامعہ کے مطبع نے اسکی چوتھی جلد جو ۱۵۰۰ء سے ۱۹۲۴ء تک کے علمی و تاریخی معلومات پر مشتمل ہے، دنیا کے سامنے رکھدی ہے، ہم اس علمی کارنامہ پر خوش ہین، لیکن ہم کو ماتم کرنا چاہئے کہ وہ کام جو ہمارے کرنے کا تھا، وہ ہم نہین کر سکتے اور دوسرے انجام دے رہے ہین،

اسی سلسلہ مین ہم کو اپنے مشہور فرانسیسی مستشرق دوست ایم، مسینان کا ذکر بھی کرنا چاہئے جو فرانس مین اسلامی

علوم و تاریخ کی تجدید کا کام نہایت خاموشی و استغراق سے کر رہے ہین اور وقتاً فوقتاً اپنی تصانیف ہم کو بھیجتے رہتے ہین، ہم نے انکی تصنیف متعلق حلاج بن منصور کا ان صفحات مین تذکرہ کیا تھا، اور آج انکی ایک اور جدید تصنیف کا جو انھون نے گذشتہ ماہ مین ہمارے پاس بھیجی ہے ذکر کرنا چاہتے ہین، اس کتاب مین اُنھون نے تمام دنیا کے مسلمانون کے حالات، نہایت شرح و بسط سے لکھے ہین، اور موجودہ اسلامی ممالک کی جغرافی حالت، اُنکی عام آبادی، اس سے اسلامی آبادی کا تناسب، علمی، تعلیمی، مذہبی، سیاسی، تجارتی، معاشی حالات، نہایت وضاحت سے بیان کیے ہین غرض یہ کتاب ایک ڈائرکٹری کا کام دے سکتی ہے، اس کے ساتھ ہی جن ممالک مین اسلامی حکومتین رہ چکی ہین، ان کا مختصر تاریخی حال بھی ہے، دنیائے اسلام کے متعلق جدید ترین معلومات پر یہ بہترین تصنیف ہے،

متمدن شہنشاہی پرست یورپ تعلیم کے ذریعہ جس طرح دو قومون مین منافرت و عداوت کی اشاعت کرتا رہتا ہے اسکی بہترین مثال اس کی سب سے بڑی جمہوریت پسند آزاد حکومت، فرانس کی اس کتاب سے ملتی ہے، جو ابتدائی مدارس کے نصاب مین داخل ہے، اور جس مین جرمنون کے خلاف معصوم دلون مین ابتدا ہی سے دشمنی کے بیج بونے کی کوششین کیگئی ہین، دست و پا بریدہ لڑکون کا مدرسون مین مظاہرہ کیا جاتا ہے، اور پھر ان کو یہ الفاظ پڑھائے جاتے ہین، "ان معصوم بچون نے ایسا کونسا قصور کیا تھا جس کے جرم مین اتنی سخت سزائین دی گئین ہین، آہ بدبخت جرمنی! فرانس کی آیندہ نسلین تجھکو ہمیشہ اس کے لیے کوستی رہین گی" اسی طرح ایک سپاہی، جرمن لباس مین آتا ہے اور ایک فرانسیسی ہفت سالہ بچہ کو گولی کا نشانہ بناتا ہے، اس پر استاد یہ زہر سے بجھے ہوئے فقرے لڑکون کو سناتا ہے،

"آہ جرمن سپاہیو! کتنا بڑا جرم! کتنی بڑی بزدلی! کیا جرمنی مین ایک بھی باپ ایسا نہین ہے جسکو اپنی

جو بچہ اپنی مان سے کرتا ہے،

اولاد سے محبت ہو"، یہ مختصر کتاب اس حتمی وعدہ پر ختم ہوتی ہے،

"ماں (اپنی آنکھین بچے کی آنکھون مین ڈال کر کہتی ہے) میرے لال! وعدہ کرو کہ تم جرمنی

کے ان مظالم کو فراموش نہ کروگے"

بچہ "امان! مین وعدہ کرتا ہون"

اے امن اور سلامتی کے شہزادو! تم دنیا کو کب تک بیوقوف بناتے اور مشرق کو کب تک اپنے

فلسفۂ امن وسکون کا وعظ سناتے رہوگے؟

الناظر لکھنؤ

کا

انعامی مقالۂ ادبی

رسالہ الناظر لکھنؤ نے یہ اعلان کیا ہے کہ مندرجہ ذیل موضوع

"آزاد، حالی، نذیر احمد، اور شبلی مین سب سے بڑا انشا پرداز کون تھا، اور سب سے

زیادہ اردو کی خدمت کس نے انجام دی"،

پر اہل قلم اصحاب مضمون لکھین،

بہترین مضمون نگار کو وہ پچاس روپیے کا نذرانہ اور اسکے مضمون کے ۵۰ مطبوعہ نسخے پیش کریگا،

نمبر ۱ مضمون فلسکیپ کاغذ کے کم از کم ۳۰ صفحون پر صرف ایک جانب لکھا ہو،

نمبر ۲- ۳۱ دسمبر سنہ ۲۴ء تک دفتر الناظر مین پہنچ جائے،

نمبر ۳- مضامین کے انتخاب اور فیصلہ کے لیے پانچ مقتدر اصحاب علم کی ایک مجلس منتخب کیگئی ہے،

نمبر ۴- انعامی مضمون الناظر کی ملکیت ہوگا، دوسرے مضامین الناظر مین اشاعت کے بعد الگ چھاپے جا سکتے ہین،

مقالات

سلاطین نجد

اور

انکا مذہب

دنیا کے انقلابات کی حد و پایان نہین، کس کس طرح زمانہ اپنے پہلو الٹتا پلٹتا رہتا ہے، اور بازیگر فلک اپنے رنگارنگ کے پردے کس طرح ہر آن بدلتا رہتا ہے، تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ یہ زمانہ، ہم لوگون کے درمیان اس کو دست بدست پھراتے رہتے ہین،

عرب کے ریگستانون نے گو لیل ونہار کے ہزارون تماشے دیکھے ہین، مگر شاید اس تماشے سے بڑھ کر کوئی تماشا نہ ہوگا، کہ تاریک قرون نے ایک چمکتے سورج (وجود نبوی) کے پرتو سے روشن ہو کر ساری دنیا کی آنکھون کو اپنی چمک دمک سے روشن کر دیا، اور خود انکے گوشہ گوشہ کو مطلع انوار بنا دیا، اور عین اس وقت جب وہ دشت وجبل، اور بحر وبر کو منور کر چکے خود ایسے ماند پڑ گئے کہ دنیا کی نگاہون سے اوجھل ہو گیے، یہ کیون؟ اسلیے کہ ان قومون نے جو اس نور سے منور ہوئین، یہ سمجھا کہ ان ریگستانی ذرون کی تابانی کے مقابلہ مین اونکی چمک اور تابانی نگاہون کو خیرہ نہ بنا سکین گی، اس لیے ان کا تاریک اور ماند ہی رہنا اچھا ہے،

اوّل تو ابو مسلم خراسانی کی تلوارون نے عربون کی سیاسی قسمت کا سنہ ۱۳۲ھ مین خاتمہ کر دیا، اور گو جو نئی سلطنت عباسیہ اس کے بل بوتے پر قائم ہوئی، وہ عربی حکومت کے بجائے عجمی شہنشاہی بن گئی، اور رفتہ رفتہ سازش پسند عجمیون نے سادہ مزاج لیکن اکثر عربون کو سیاست اسلامی کے دائرہ سے خارج ہی

کر دیا، اس کے بعد معتصم نے ترکون کو بر روئے کار لا کر عربون کے آزادی پسند، سادہ دل، حُرّیت طلب قبیلون کو ہمیشہ کے لیے پھر عراق و شام و مصر کے زرخیز علاقون سے نکال کر عرب کے صحرا اور ریگستان مین واپس جانے پر مجبور کر دیا،

اس عرصہ مین دنیا کی اسلامی قومون نے بڑے بڑے انقلابات پیدا کیے بادشاہیان بنائین قصر و ایوان تیار کیے، مدرسے اور دار العلوم تعمیر کیے، کرۂ ارض کے طبقے اُلٹ پلٹ کیے، سمندرون کے سینے چیرے پہاڑون کی چٹانین گرائین توڑین، یہ سب شور و غُل، اور زور و شور، جوش و خروش جزیرہ نمائے عرب کے ارد گرد ہوتے رہے، لیکن عرب کا بادیہ نشین، اور شتربان بدستور اپنے صحرا اور نخلستان مین بے پروا سوتا رہا،

بالآخر جب دنیا کی دوسری مسلمان قومین اپنے اُن تابانیون کو جو چاند کی طرح عرب کے سورج سے حاصل کیگئی تھین، کھو چکین، اور **توحید و سُنّت** کا سررشتہ اُن کے ہاتھون سے چھوٹ گیا اور وہ ہر طرف قبّہ اور ستون کی طرف جھکنے لگے، تو اللہ تعالیٰ نے پھر اونھین ذرّون مین اُنکی اُن روشنیون کو جو زیر پردہ ہو گئی تھین، بے نقاب ہو جانے کا حکم دیا،

مدینہ منورہ کی مسجد نبوی جو معلّمِ نبوت کے عہد سے آج تک حق کے پکارنے والون اور وحی الٰہی کے پیغامون کے دُہرانے والون کے شور و صدا سے معمور رہی ہو، یہین سے عرب کی نشاۃ ثانیہ یا دوبارہ زندگی کا سرچشمہ فیض اُبلا، اور یہین کی ایک شاخ دِلّی کے کنارۂ جمنا مین آ کر شامل ہو گئی، اور شاہ **ولی اللہ** کے خانوادہ نے ہندوستان کے ظلمتکدہ کو دوبارہ مطلع توحید سے منور کیا، اور دوسری شاخ آبِ زمزم سے ملک عرب کے صحراؤن اور ریگستانون مین پھیلی،

محمد بن عبد الوہاب نجدی کا نام، مذہبی وجوہ سے زیادہ سیاسی اسباب سے کل اسلامی قومون مین بدنام رہا، یہ شخص حنبلی مذہب کا ایک عالم نجد کا رہنے والا، اور مدینہ منورہ کا ایک طالب علم تھا، ۱۷۰۳ء مین پیدا ہوا اور ۱۷۹۱ء مین وفات پائی، حجاز ہمیشہ مصر کے ماتحت رہا ہے، مصر کے ترکی اجر کسی، کردی، اور غلام بادشاہون

کے رسوم و رواجات، اور اثرات سے بدترین قسم کے بدعات مین مبتلا ہو گیا تھا، اور بوجہ اسلام کی مرکزیت عام کے جو بلا یہان پیدا ہوتی ہو وہ چند ہی سالون کے بعد تمام دنیائے اسلام کو لپیٹ جاتی ہو، سب سے پہلی ضرورت یہ تھی کہ اس خطۂ اقدس کو آلائشون سے پاک اور آمیزشون سے مبرّا کیا جائے، محمد بن عبد الوہاب نے جو دعوت شروع کی انکی دفعات صرف یہ ہین،

۱- خدا کی تمام صفات، صرف اسی کی ذات کے ساتھ مخصوص ہین، اور اُن مین کوئی دوسرا شریک نہین،

۲- خدا کی ذات و صفات کے متعلق قرآن اور حدیث صحیح مین جو نصوص ہین، اُن پر تاویل کے بغیر اسی طرح ایمان لانا چاہئے، جس طرح اُن کے الفاظ اپنے لغوی معنون کے لحاظ سے ظاہر کرتے ہین، اُن کی حقیقت طلبی کے ہم درپے نہ ہون،

۳- تمام پیغمبر بشر ہین، اور صفات ربّانی سے خالی ہین،

۴- اولیاے الٰہی، کی ایسی تعظیم، اور ان کے متعلق ایسی عقیدت نہ رکھنی چاہئے جو صرف پیغمبرون کیلیے یا خاص خدا کے لیے مخصوص ہین،

۵- مقابر اور مزارات کی ایسی تعظیم نہ کیجائے جو بت پرستانہ ہو،

۶- اُن چیزون کو جو خدا کی قدرت مین ہین، غیر خدا سے طلب کیا جائے، اور نہ مُردون سے دعا و استعانت مانگی جائے،

۷- قبرون پر قبّے، گنبد، وغیرہ عمارتین یا پختہ چبوترے نہ بنوائین جائین کہ آنحضرت صلعم نے اُن سے منع فرمایا ہے، اور اُن کے ذریعہ سے قبر پرستی پیدا ہوتی ہے،

غرض یہ اور اسی قسم کے چند امور ہین جنکی دعوت و تبلیغ مین اس حنبلی عالم نے اپنی عمر صرف کی، اس کی دعوت و تبلیغ پر لبیک کہنے والون مین نجد کے ایک مقام دارعیہ کے ایک شیخ قبیلہ محمد بن سعود تھے، اور جن کی نسبت سے **ابن سعود** کا یہ خاندان پیدا ہوا ہے، ابن سعود کے علم کے نیچے نجد کے تمام قبائل جمع ہو گیے، اور ترکون، انگریزون، اور شریف مکہ تینون کے لیے یہ خطرۂ عظیم بن گئے ترکون کے لیے اس طرح کہ یہ عراق کی

حملہ آور ہوئے، اور انگریزون کے لیے یون کہ انھون نے بحرِ عرب اور خلیج فارس کے سواحل اور شہرون پر جو انگریزون کی فوجی اور تجارتی ضرورتون کیلئے مفید تھے قبضہ کرلیا، اور شریف مکہ کے مقابلہ مین تو انھون نے اس لیے کہ حرمین محترمین کو اپنے قبضہ مین لاسکین خونریز حملہ کیا اور کامیابیان حاصل کین ترکی کی طرف سے مصر کے خدیو محمد علی پاشا اس ہنگامہ کو فرو کرنے کے لیے نامزد ہوئے، خدیو محمد علی پاشا کی فوج کے ساتھ ساتھ انگریز اور فرانسیسی افسران فوج اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے متعدد افسر شامل ہوگیے، اور اس طرح نجدی وہابیون کی سیاسی اور فوجی قوت کا قلع قمع کیا گیا ہی، اور یہی وہ اسباب ہین جنکی بنا پر وہابیون کو ہندوستان، مصر، عرب اور ترکی مین ہر طرح بدنام کرنے کے لیے پرزور پروپگنڈا کیا گیا، ہندوستان مین اسی کے کچھ عرصہ کے بعد مولٰنا شاہ اسمٰعیل شہید کی سپہ سالاری مین مجاہدین کی فوج قائم ہوئی جس نے سکھون سے جنگ کی، چونکہ مولٰنا شہید کی دعوت بھی اسی قسم کی تھی اور وہی جذبات کام کر رہے تھے اس لیے انگریزون کو خاص طور سے وہابیون کو بدنام اور رسوا کرنے کی حاجت تھی، چنانچہ آپ کو معلوم ہی کہ غدر کے بعد ہندوستان مین وہابی اور باغی دونون برابر کے لفظ سمجھے جاتے تھے،

اللہ اکبر! کیا انقلاب عظیم ہی کہ وہی وہابی جن کے خلاف کل ترک سرکف، مصری لشکر آرا، عرب ہنگامہ خیز، اور انگریز اپنے جال بچھا رہے تھے، آج ترک انکی فتح کے لیے دعاخوان، عرب مسرور، ہندوستان تبریک و تہنیت کے غلغلون سے پرشور، اور انگریز ناطرفداری کے ساتھ اُنکے خلاف لب کشائی سے پرہیز کر رہے ہین،

کل تک نجد اور اس کا سلطان ایک گمنام لفظ تھے، مگر ان دو مہینون کے کارنامون نے اس کے نام کو مشرق سے مغرب اور یورپ سے ایشیا تک بچہ بچہ کی زبان پر کردیا، لیکن اس شہرت کے باوجود اس سلطنت کی تاریخ، اور اس کے سوانح اب تک نگاہون سے پوشیدہ ہین،

اسلامی ہندوستان کی نئی پود جو یونان و روم کے مردہ نامون کو رٹتے رٹتے تھک گئی ہی، اور جسکو نئے اور پرانے یورپ کی تاریخ کا حرف حرف یاد ہو گیا اس کے لیے یہ شرم کا باعث نہین کہ وہ اس اسلامی سلطنت کے واقعات سے قطعی ناآشنا ہو، ذیل مین ہم سلاطین نجد کے حالات و سوانح کا خلاصہ ترجمہ ہدیہ ناظرین کرتے ہین جس سے بترتیب اس سلطنت کے امراء اور فرمانرواؤن کے واقعات روشنی مین آجائین گے،

اس حکومت کے بانی محمد بن سعود خاندان مقرن سے تعلق رکھتے ہین، یہ خاندان ولد علی کے قبیلہ مسالخ کی ایک شاخ ہے، اس قبیلہ کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ وہ عربون کے بڑے خاندان عنزہ سے پیدا ہوا ہے، اُن کے والد سعود نے گیارہوین صدی ہجری کی ابتدا یعنی ۱۷۲۶ء کے درمیان انتقال کیا، اور محمد کے علاوہ تین اور لڑکے اپنے بعد چھوڑے، (۱) ثنیان، (۲) مشاری اور (۳) فرحان، درعیہ اور ریاض کی حکومت آج تک محمد بن سعود کے خاندان مین چلی آتی ہی البتہ ثنیان اور مشاری کے خاندانون کے دو ارکان نے کچھ دنون تک غاصبانہ قبضہ (جس کا ذکر آگے آئیگا) کر لیا تھا، لیکن انکو کوئی حکومتی اہمیت حاصل نہ ہوئی فرحان کا خاندان صرف نسب نامہ کے ذریعہ اب تک اپنے وجود کا ثبوت مہیا کر رہا ہی،

اس حکومت کے عہد سلطنت کو تین حصون مین تقسیم کیا جا سکتا ہے، (۱) ابتدائے حکومت سے مصری فتح (۱۸۱۸ء) تک، (۲) ترکی اور فیصل کے ذریعہ دوبارہ قیام کے بعد سے ابن رشید والی حائل کی فتح تک (۱۸۲۴ء–۱۸۹۱ء) (۳) تیسرا ریاض کے ۱۹۰۲ء مین دوبارہ فتح ہونے کے وقت سے شروع ہوتا ہے،

۱۔ محمد بن سعود (۱۷۳۵ء (؟) – ۱۷۶۶ء) تقریباً ۱۷۴۵ء مین انھون نے شیخ محمد بن عبد الوہاب کی تحریک مین شرکت کی، اطراف کے اضلاع اور شہرون سے ۱۱۵۹ھ (۴ جون ۱۷۴۶ء) مین جنگ شروع ہوگئی، اور بہت جلد الحسا کے مشہور قبیلہ بنی خالد اور نجران کے قبیلہ مکرمی کو مداخلت کرنی پڑی، لیکن وہ بھی اس سیلاب کو نہ روک سکے، شرفائے مکہ نے ان کو ایک خاص و جدید فرقہ سمجھکر اُن کو حج سے روک دیا، اس واقعہ کی سب سے پہلی اطلاع جو شرفا نے قسطنطنیہ بھیجی تھی، وہ ۱۱۶۲ھ (۲۵ دسمبر ۱۷۴۹ء) مین وہان پہنچی، محمد بن سعود نے ۱۱۷۹ھ (۱۷۶۵–۶۶ء) مین تیس سال کی حکومت کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا،

۲۔ عبد العزیز بن محمد بن سعود (۱۱۷۹–۱۲۱۸ھ، ۱۷۶۶–۱۸۰۳ء) ان کی حکومت کے دس سال پہلے مشہور ہمسایہ قبائل بنی خالد، مکرمی اور منتفق سے لڑنے مین گذرے، ۱۷۹۵ء مین عبد العزیز نے الحسا اور قطیف پر قبضہ کرکے خلیج فارس کے ساحل پر اقتدار قائم کرلیا، بصرہ اور بغداد کے ترکی والیون اور ان کے اتحادی

منتقیون کی مسلسل کوششین ناکامیاب ثابت ہوئین اور ۱۷۹۹ء مین پاشائے بغداد اور عبد العزیز مین چھ سال کی عارضی صلح ہوگئی ۱۱۸۶ھ (۱۷۷۳ء) مین شریف مکہ سرور نے انکو ایک خاص محصول کے ادائیگی پر زیارت مقامات مقدسہ کی اجازت دیدی، لیکن اس کے جانشین غالب نے ۱۲۰۳ھ سے اس رعائت کو موقوف کر کے ۱۷۹۰ء، ۱۷۹۵ء اور ۱۷۹۶ء مین حجاز مین انکی پیش قدمی کی روکنے کی سعی لاحاصل کی، بالآخر ۱۷۹۸ء مین صلح ہوگئی شریف نے حج کی عام اجازت دیدی اور سلطان عبد العزیز نے وعدہ کیا کہ وہ شریف کے زیر اثر علاقہ پر تاخت و تاراج نہ کرین گے،

بغداد اور شرفائے مکہ سے صلح دیر تک قائم نہ رہکی، شیخ خزعل نے اس جماعت کے ایک کاروان پر حملہ کردیا تھا، اور سعود بن سلطان عبد العزیز نے انتقاماً ۱۰ ذی الحجہ ۱۲۱۶ھ (۲۱ اپریل ۱۸۰۲ء) کو کربلا پر قبضہ کرکے وہان کے مقدس مقامات کی بیحرمتی کی اور اکثر باشندونکو تہ تیغ کرڈالا، ۱۲۱۴ھ اور ۱۲۱۵ھ (اپریل ۱۸۰۰ء اور ۱۸۰۱ء) مین سعود نے حج کیے اور اسی وقت عسیر، تہامہ اور بنی حرب کے قبائل جواب تک شریف غالب کے ماتحت تھے سعود سے آملے، اور ایک مرتبہ پھر شعلہ جنگ بلند ہوگیا، ۵ شوال ۱۲۱۷ھ (۱۸ فروری ۱۸۰۳ء) کو انھون نے طائف پر قبضہ کیا، اور ۸ محرم ۱۲۱۸ھ (۳۰ اپریل ۱۸۰۳ء) کو سعود فاتحانہ مکہ معظمہ مین داخل ہوا، سعود کی واپسی کے بعد شریف غالب نے انکی فوج کو ۲۸ ربیع الثانی ۱۲۱۸ھ مین نکال دیا، لیکن اس جماعت کے لیے مزید مراعات منظور کین، اسی کے ساتھ ۱۸۰۰ء سے ان لوگون نے خلیج فارس کے ساحل پر اپنا اقتدار جمانا شروع کیا اور چند ہی سالون مین بحرین پر قابض ہوگئے اس کے ساتھ ہی راس الخیمہ کے قبائل بنو جواسم بھی اُن کے تحت مین آگئے،

۳۔ سعود بن عبد العزیز، ۱۲۱۸ھ – ۱۲۲۹ھ (۱۸۰۳ء – ۱۸۱۴ء) بغداد، اور عمان پر متعدد خفیف حملون کے بعد سعود نے ارادہ کرلیا کہ اس کے لیے بہترین صورت یہ ہے کہ شریف غالب کا خاتمہ کردے، چنانچہ ۱۲۲۰ھ (۱۸۰۵ء) مین اس نے مدینہ منورہ اور ذی الحجہ مین مکہ معظمہ پر قبضہ کرلیا، اپنی بقیہ حکومت کے استحفاظ کے لیے غالب نے

اطاعت قبول کرلی اور یہ تحریک تمام حجاز مین پھیلنی شروع ہوگئی حاجیون کے کاروان جو ترکی حکومت کے ماتحت یہان آرہے تھے روک دیے گیے، خطبہ سے سلطان کا نام نکال دیا گیا اور سعود نے ایک خط مین مطالبہ کیا کہ نہ صرف والی دمشق بلکہ خود خلیفہ اس تحریک کو قبول کرے، والی دمشق کے جواب صاف کا سعود نے یہ جواب دیا کہ جولائی ۱۸۱۰ء مین حوران کو لوٹ لیا، اب سعود نے خلیج فارس مین بھی تاخت و تاراج شروع کی اور اس طرح انگریزون کو ۱۸۰۹ء مین ایک بیڑا روانہ کرنا پڑا جس نے ۱۳ نومبر کو راس الخیمہ پر قبضہ کرکے سعود کے بیڑے کو برباد کردیا،

سلطان نے محمد علی پاشا کو جو موجودہ خدیوی خاندان کے مصر مین بانی ہین اور جنھون نے بزور آزادی کا فرمان حاصل کیا تھا، حکم دیا کہ وہ مصری فوج لیکر ابن سعود کے مقابلہ مین جائین مصریون کے پہلے حملہ کا آغاز جو طوسون پاشا کے زیر کمان کیا گیا تھا اکتوبر یا نومبر ۱۸۱۱ء مین ینبع البحر اور ینبع البر کی فتح کے ساتھ ہوا لیکن مدینہ کی طرف پیش قدمی کرتے وقت ان کو سعود کے بیٹون عبد اللہ اور فیصل نے درہ جدیدہ مین شکست دی اور اُن کو ینبع لوٹ آنا پڑا، انکا دوسرا حملہ ۱۸۱۲ء کی خزان مین شروع ہوا، نومبر مین مدینہ پر قبضہ ہوگیا، جنوری ۱۸۱۳ء مین مکہ مین بھی داخلہ ہوا اس کے چند دنون بعد ہی مصری فوجین طائف مین بھی فاتحانہ داخل ہورہی تھین، دوسری طرف سعود نے مصریون کو تربہ کی طرف پیش قدمی کرنے سے رُوک دیا اگست ۱۸۱۳ء مین محمد علی خود جدّہ آئے اور سعود کی سی صلح بالکل ناکام رہی، اواخر ۱۸۱۳ء مین طوسون پاشا تربہ پر دوسرا حملہ کیا، لیکن وہ بھی ناکامیاب رہا، اب مصریون کی فوجی کاروائی ختم ہوگئی، اسی اثنا مین ۸ جمادی الاوّل ۱۲۲۹ھ (۲۷ اپریل ۱۸۱۴ء) کو سلطان سعود کا ۶۸ سال عمر مین انتقال ہوگیا،

۴۔ عبد اللہ بن سعود، (۱۲۲۹ھ – ۱۲۳۳ھ = ۲۷ اپریل ۱۸۱۴ء – ۹ ستمبر ۱۸۱۸ء) ۱۸۱۵ء کی ابتدا مین محمد علی نے تربہ کی طرف پیش قدمی شروع کی دشمن کو شکست دے کر ۱۰ جنوری کو شہر پر قبضہ کرلیا، بعد مین عسیر کی طرف بڑھے اور قنفدہ ہوتے ہوا اگلے مارچ مین طوسون پاشا حناکیہ کی سمت سے نجد مین داخل ہوا، اور الرس

قلعہ بند شہر پر قبضہ کرلیا، یہان عبداللہ بن سعود اس سے دوچار ہوا، اب طویل عارضی صلح ہوئی اور وسط ۱۸۱۷ء تک گفتگو ہوتی رہی، ستمبر ۱۸۱۶ء مین ابراہیم پاشا بن محمد علی نے مصری فوج کی کمان اپنے ہاتھ مین لی، اور ۱۸ مہینون کی خوفناک خونی جنگون کے بعد درعیہ کے دروازون تک پہنچ گیا، دارالسلطنت کا محاصرہ اپریل ۱۸۱۸ء ستمبر تک قائم رہا، لیکن ۹ ستمبر کو شہر فتح ہوگیا، اور سلطان عبداللہ نے ۲۰ دنون تک قصر الدرعیہ مین محصور رہکر ہتھیار ڈال دیے، ابراہیم پاشا نے سلطان عبداللہ اور محمد بن عبدالوہاب کے خاندانون کو قاہرہ بھیج دیا، محمد علی پاشا نے قاہرہ سے سلطان عبداللہ اور اُس کے رفقا کو قسطنطنیہ روانہ کردیا یہان، ۱۷ دسمبر ۱۸۱۸ء کو ان کو قتل کردیا گیا،

۵- طوسون پاشا نے وسط ۱۸۱۹ء مین نجد چھوڑا، اور اس کے تھوڑے ہی دنون بعد مقتول سلطان عبداللہ کے بھائی مشاری بن سعود نے درعیہ مین پھر حکومت قائم کرلی لیکن محمد علی نے اوس کے استیصال کے لیے حسین بے کو روانہ کیا، جس نے اُسے گرفتار کرکے قاہرہ روانہ کردیا، لیکن وہ راہ ہی مین ہمیشہ کیلیے آزاد ہوگیا، تاہم راشد الحنبلی نے اسکی وفات ۱۲۳۵ھ (۱۸۱۹ء-۱۸۲۰ء) کے درمیان بنائی ہے،

۶- **ترکی بن عبداللہ بن محمد بن سعود**، ۱۲۳۵ھ-۱۲۴۹ھ (۱۸۲۰ء-۱۸۳۴ء) ترکی مصری حملون کے وقت سدیر بھاگ گیا تھا، اور مشاری بن سعود کی وفات کے بعد اس نے اپنے کو ریاض مین خودمختار بنانے کی کوشش کی لیکن مصریون نے اُسے شکست دے کر نکال دیا، ۱۸۲۲ء مین اس نے ریاض کے گرد مصری دستہ کو اچانک حملہ کرکے متحیر کردیا، اور حجاز کے والیون سے لڑنے کے بعد وہ محمد علی کو سالانہ رقم دینے پر راضی ہوگیا، ۱۸۳۰ء مین اس نے ضلع الحسا پر جس پر ۱۸۱۳ء سے ترک قابض تھے فتح کرلیا اور بحرین پر بھی اپنا تسلط جمالیا، اب اس جماعت کی حکومت کا دارالسلطنت درعیہ کی جگہ ریاض مقرر ہوا، لیکن ۱۲۴۹ھ (۱۸۳۴ء) مین مشاری بن عبدالرحمن نے اسے قتل کردیا،

۷- **مشاری بن عبدالرحمن**، بن مشاری، بن حسن بن مشاری بن سعود، اس شخص نے

قتل کے بعد کوئی حکومت نہ کی اور ۴۰ دنون کے بعد ہی خود بھی ہفوف مین فیصل بن ترکی کے ہاتھون قتل ہوا،

۸- **فیصل بن ترکی**، ۱۲۴۹ھ-۱۲۵۵ھ (۱۸۳۴ء-۱۸۳۸ء)، ۱۸۳۸ء مین فرمانروائے سوم سعود کے لڑکے خالد نے مصری فوج کی مدد سے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور فیصل کو ریاض مین شکست دی، مصری فوج کے سپہ سالار خورشید پاشا نے بھی فیصل کو الدلم مین ۲۵ رمضان ۱۲۵۴ھ (۱۰ دسمبر ۱۸۳۸ء) مین شکست دی اور قید کرکے مصر بھیجدیا،

۹- **خالد بن سعود**، ۱۲۵۵ھ-۱۲۵۷ھ (۱۸۳۹ء-۱۸۴۱ء) مصری فوج کے ۱۸۴۰ء مین واپسی کے بعد عبداللہ بن ثنیان نے دسمبر ۱۸۴۱ء مین اُسے ریاض سے نکال دیا، اس نے جدہ مین جاکر سکونت اختیار کی اور وہین ۱۸۶۱ء مین سپرد خاک ہوا،

۱۰- **عبداللہ بن ثنیان** بن ابراہیم بن ثنیان بن سعود ۱۲۵۷ھ-۱۲۵۹ھ (از ابتدا ۱۸۴۲ء تا ابتدا ۱۸۴۳ء) یہ مشکل سے سال ہی بھر حکومت کرسکا تھا کہ فرمانروائے ہشتم فیصل نے جو ۱۸۴۲ء مین رہا ہوچکا تھا اسکا ریاض مین محاصرہ کرلیا، اور اُسے گرفتار کرکے قید کردیا وہ اسی حالت مین مرا،

۱۱- **فیصل بن ترکی**، حکومت ثانی ۱۲۵۹ھ-۱۲۸۲ھ (۱۸۴۳ء کی ابتدا سے دسمبر ۱۸۶۵ء تک اس شخص نے عاقلانہ اور مصلحانہ کوششون سے نجد مین اپنی حکومت قائم کرنے مین کامیابی حاصل کی، اسی کے عہد مین جبل شمر کے قبیلہ ابن رشید نے جو اس کا دوست تھا بغاوت شروع کی، اس نے ہیضہ مین ۲۱ رجب ۱۲۸۲ھ (دسمبر ۱۸۶۵ء) کو وفات پائی،

۱۲- **عبداللہ بن فیصل بن ترکی**، حکومت اول ۱۲۸۲ھ-۱۲۸۷ھ (ابتدا دسمبر ۱۸۶۵ء-ابتدا ۱۸۷۱ء) عبداللہ کو اس کے بھائی نے ۱۲۸۷ھ مین تخت سے اُتار دیا،

۱۳- **سعود بن فیصل بن ترکی**، ۱۲۸۷ھ-۱۲۹۱ھ (۱۸۷۱ء-۱۸۷۴ء) سعود کے ابتدا عہد حکومت مین، جلاوطن عبداللہ کی درخواست پر ترکون نے الحسا اور قطیف پر قبضہ کرلیا اور سعود کی مسلسل کوششون

کے باوجود اُن ہی کے قبضہ مین رہے۔

۱۴- عبداللہ بن فیصل بن ترکی حکومت ثانیہ ۱۲۹۱ھ - ۱۳۰۱ھ (۱۸۷۴ء تا ۱۸۸۴ء) سعود کی موت کے بعد اس نے پھر تخت حاصل کر لیا اور اپنے بھائی محمد اور سعود کے لڑکون کی مخالفت کے باوجود اس پر قابض رہا، ۱۸۸۳ء مین اسکو محمد بن رشید حائلی کی جنگ مین شرکت کرنی پڑی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سعود کے بیٹون نے ابتدا ۱۸۸۴ء مین اُسے جلا وطن کر دیا،

۱۵- محمد بن سعود، اس کا عہد حکومت بہت ہی مختصر اور غیر اہم ہی، اوسکے بعد اس کا چچا تخت حکومت پر بیٹھا

۱۶- عبدالرحمن بن فیصل، (؟) ۱۸۸۶ء (؟) اس کو محمد رشید نے تخت سے اُتار دیا، اور اوسکی جگہ پر عبداللہ کو نجد کی حکومت ملی،

۱۷- عبداللہ بن فیصل (حکومت ثالثہ ۱۸۸۶ء - ۱۸۸۹ء) عبداللہ کا ۱۸۸۹ء مین انتقال ہو گیا اور عبداللہ کی حصول تخت فلاح کی سعی کے باوجود ریاض، حائل کا محکوم ہی رہا، ۱۸۹۱ء مین محمد بن رشید نے ریاض کو فتح کیا، اور وہان کا تخت فیصل کے تیسرے بیٹے محمد کو دیا،

۱۸- محمد بن فیصل، یہ فیصل کا تیسرا بیٹا ہے محمد کی وفات کے بعد جسکی صحیح تاریخ معلوم نہین، ریاض پر ابن رشید کے عمال حکومت کرتے رہے،

۱۹- عبدالعزیز بن عبدالرحمن بن فیصل، ۱۹۰۲ء سے، سلطان عبدالعزیز نے کویت کے شیخ مبارک کی مدد سے جن کے یہان اُن کے والد نے بھی پناہ لی تھی مارچ ۱۹۰۲ء مین ریاض پر قبضہ کر لیا، وہ ابن رشید والی حائل کے حملون کو کامیابی کے ساتھ روکتے رہے، ابن رشید نے ترکون کی مدد بھی حاصل کی لیکن چونکہ خود حائل مین بد امنی پھیل گئی تھی اس لیے کچھ نہ ہو سکا اور سلطان عبدالعزیز نے باشندون کی مدد سے ایک مرتبہ پھر ریاض کی آزاد حکومت قائم کر لی،

عبدالرحیم خانخانان

اور

اس کا کتبخانہ اور اسکی موجودہ بقیہ یادگارین

از

مولوی حافظ نذیر احمد صاحب محقق آثار قدیمہ عجائب خانہ کلکتہ

بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے تعلق سے جن بعض مسلمان اہل علم نے بیش قیمت علمی خدمات انجام دین، ان مین ایک مولوی حافظ نذیر احمد صاحب بھی ہین، سوسائٹی مذکور کے تعلق سے موصوف نے ہندوستان بھر کے مشرقی کتبخانون کی خاک چھانی ہے، نادر قلمی کتابون کا سراغ لگایا ہے، اور انکو محفوظ مقامات تک پہنچانے مین کامیابی حاصل کی ہے، جنوری ۱۹۲۲ء کے آخری ہفتہ مین کلکتہ مین جو مشرقی کانفرنس منعقد ہوئی تھی، اس مین اُنھون نے اپنا یہ ذیل کا مضمون انگریزی مین پڑھا تھا، اور اب معارف کی خواہش پر وہ اسکا اُردو ترجمہ مرحمت کرتے ہین، مضمون مین اگرچہ ذیلی حواشی بکثرت ہین مگر چونکہ وہ تاریخی تحقیقات کی حیثیت رکھتے ہین، اسلیے دلچسپی سے خالی نہین۔

تاریخ اسلام علم و فن کے مربیون کی کثرت، اور انکی اعلےٰ خدمتگزاریون کی مثالون سے لبریز ہے، تقریباً ہر اسلامی ملک مین علم و فن کے ایسے شائق گذرے ہین جو علم کی ٹمٹماتے ہوئے چراغ کو پیمانۂ اجل کی ہاتھون سے محفوظ رکھنے کے لیے ہمیشہ ساعی و سرگردان رہے ہین، علم اور مذہب توام ہین، یہ مثال عجب حسن و خوبی کے ساتھ اسلام پر صادق آتی ہے کیونکہ ابھی مذہب اسلام کی ترقی کی پو پھٹ ہی رہی تھی کہ علم کی خوشبو مدینہ کی سنگلاخ زمین، اور آتش اختلاف ہوا سے ترکی

دھوم دھام سے نکلی، اور ہزارون شہرون مین اپنی شام عطر بیز سے دماغون کو معطر کرنے لگی،
رفتہ رفتہ یہ بوے علم ہندوستان کے سبزہ زارون مین نکہت افروز ہوئی، اور اپنی بھینی بھینی خوشبو
سے پامال باغون مین لہلہاہٹ پیدا کردی، ہندوکُش پہاڑ سے لیکر آبنائے کومورن تک کے مسلمان
سلاطین و امرا کو علوم کا شوق پیدا ہوگیا، اور انکے ذوق و شوق کے مظاہر نے مدارس، دار العلوم،
اور کتب خانون کی شکل مین نمودار ہونا شروع کیا۔

اگر صرف تواریخ مغلیہ کے اوراق اُلٹو تو بابر سے لیکر اخیر بہادر شاہ تک آگرہ اور دہلی
کے تخت پر جو بادشاہ ملے گا وہ علوم و فنون کا صاحب ذوق اور کتبخانون کا شوقین نظر آئے گا
سلاطین تو الگ رہے، اگر انکے دربارون کے امرا اور منصب دارون کے علمی ذوق شوق اور
علماء و ارباب کمال کی قدر دانیون کے واقعات پڑھو تو ششدر رہ جاؤ گے، انھین ذوالاقتدار
امرا مین سے ایک عبدالرحیم خانخانان تھا،

عبدالرحیم خان خانان کے مختصر حالات

۱۴ صفر ۹۶۴ھ، اخیر سال جلوس اکبری مین وہ ادب و دانش، فہم و بینش، شہامت
و شجاعت، نطانت و سخاوت، دریادلی، و فیاضی کا پتلا، بلدۂ لاہور مین سلیمہ[1] سلطان بیگم

[1] سلیمہ سلطان بیگم، ہمایون کی بھانجی، گلرخ بیگم ہمایون کی حقیقی ہمشیرہ کی صاحب زادی ہین۔ محاسن اخلاق
و خوبی کے باعث مورخین و تذکرہ نویسون نے ان کے نام پر مدح و ثنا کے پھول برسائے ہین۔ علاوہ
نیک سیرتی کے نہایت خوش بیان، شیرین کلام، حسن المحاضرہ، باسلیقہ، مدبرہ، نکتہ سنج، سخن فہم، سخن شناس
تھین، عالمہ، شاعرہ بھی تھین۔ کتب بینی کا بہت شوق تھا، کتب خانہ بھی تھا۔ اہل سخن کی قدر دانی، حوصلہ
افزائی بھی کیا کرتی تھین۔ سلیمہ کا ایک فارسی فرد مشہور ہے ے
کاکلت را من زمستی رشتۂ جان گفتہ ام — مست بودم زین سبب حرف پریشان گفتہ ام
(باقی حاشیہ صفحہ آئندہ)

بنت جمال خان میواتی، کے شکم سے پیدا ہوا، باپ بیرم[1] خان اس مولود مسعود کو کشور وجود
مین دیکھکر مارے خوشی کے پھولا نہ سمایا، اپنے بیگانون کو انعام و اکرام سے مالامال کردیا کیونکہ
بڑھاپے کے باغ مین ایسا خوشرنگ و خوشبودار پھول پھولا کہ جسکی بوے فضلا کے دماغ کو قیامت
تک معطر کرتی رہیگی، اور علما اسکے آثار برگزیدہ کو جب پڑھین گے تو اسکی پاک روح پر دعائے
رحمت کی پھول برسایا کرین گے۔ اور اسکی نکتہ پردازی کے داد دین گے۔ اہل شجاعت شیرانہ
حملے، اور رستمانہ کارنامے پر عش عش کرین گے، بادشاہ اکبر نے خود عبدالرحیم نام رکھا۔

اس مولود مسعود نے تقریباً تین سال تک آرام اور چین کی زندگی بسر کی جب چوتھے
سال مین قدم رکھا تو والد ماجد کا ظل عاطفت[2] سر سے اُٹھ گیا، ۹۶۹ھ مین وہ اپنے خالو اکبر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سلیمہ ۹۶۰ھ مین دنیا مین آئین، شادی کے وقت تقریباً ۱۵ سالہ عمر مین سلیمہ نے قدم رکھا تھا،
اور آخر عہد جہانگیری ۱۰۲۱ھ مین ۶۱ ساٹھ برس کی عمر مین انکے حیات کا پیمانہ لبریز ہوگیا جہانگیر نے
توزک مین بھی انکی قابلیت، فضیلت، عصمت اور عفت کی مدح کرکے انکی وفات پر حسرت
و تاسف کے آنسو بہائے ہین۔

[1] بیرم خان کا خاندان تیموری خاندان سے وابستہ ہے اور ولایت ہمدان، دینور کردستان، اور
اسکے متعلقات کا حاکم تھا، کتاب ہفت اقلیم مین بیرم خان کے نسب نامہ کو طوالت سے بیان
کیا ہے، ہفت اقلیم اکبر کے عہد مین تصنیف ہوئی ہے، امین رازی اسکے مصنف ہین ایشیاٹک سوسائٹی
بنگال کی طرف سے ہمارے روحانی دوست خان بہادر مولوی عبدالمقتدر صاحب (زادمجدہ)
جو خدا بخش لائبریری بانکیپور کتب خانہ کی فارسی فہرست مرتب کرنے کے منصب لائقہ پر مامور ہین، ہفت
اقلیم کو ایڈیٹ فرمارہے ہین۔ سوسائٹی نے بہت صحیح اور اہل شخص کو اسکی ایڈیٹ کرنے کے لیے
منتخب کیا ہے، موصوف کتاب مذکور کے ۲۰۰ صفحون کے قریب شائع بھی کرچکے ہین باقی زیر طبع

کی قدم بوسی کے لیے آگرہ پہنچا اور شرف وافتخار حاصل کیا۔ اکبر نے اسکی وضع ہونہار، پیشانی پر اقبال ناصیہ سے نجابت کے آثار ملاحظہ فرماکر تربیت وتعلیم کا حکم دیا۔ اور یہ ہونہار لڑکا اکبری سایہ مین پرورش پانے لگا۔ تربیت ایسی پائی کہ سن رشد مین علما اس کی قابلیت وفضیلت کی شہادت دینے لگے تمام مورخین کی زبانین یکسان اسکی مدح وثنا مین رطب اللسان ہین چنانچہ ملا صاحب مآثر الامرا مین یون رقمطراز ہین "خان خانان درقابلیت واستعداد یکتائی روزگار بود عربی وفارسی، ترکی وہندی، روان دانست، شعر خوب می فہمید، و رحیم تخلص میکرد" زبان فارسی وترکی تو اسکے باپ دادا کی میراث تھی۔ سنسکرت مین بھی اچھی لیاقت رکھتا تھا ۹۹۷ھ مین توزک بابری کو اکبر کے حکم سے ترکی زبان سے فارسی مین ترجمہ کرکے نذر گزرانی اسکو علم اخلاق، ہیئت، ادب، تاریخ، نجوم، رمل، شاعری، انشا، خوش نویسی مصوری، شہسواری، تیراندازی، نیزہ بازی، شمشیرزنی، سپہ گری، اور صید افگنی مین نیز شجاعت، شہامت، اور ریاست، مین بھی قدرت نے خاص ملکہ عطا کیا تھا کہ عالی خدمات، اور عظیم فتوحات حاصل کی ہین۔ گویا وہ مجموعۂ کمالات انسانی تھا طبیعت عجب ہمہ گیر واقع ہوئی تھی۔

علما، فضلا پر دلی شفقت، اور فقرا سے خاص محبت، رکھتا تھا؛ اسکی بارگاہ دولت ارباب فضل وکمال کے لیے قبلہ تھی۔ دنیا کے صاحب کمال، اور شعرا ہمیشہ، اطراف وجوانب سے اسکی درگاہ کی طرف رخ کرتے تھے، اور اسکے کتب خانہ مین ممتاز وارفع مناصب پاتے تھے؛

[1] بیرم خان ۹۶۸ھ مین مغرب کے وقت کشتی سے نماز کے لیے اترا، مبارک خان لوہانی ایک افغان ملاقات کے بہانے معانقہ کرنے آیا اور بیرم خان کے پشت پر ایک خنجر مارا کہ سینہ کے پار نکل آیا، اور فوراً مر گیا۔

اور اسکے دست دریا نوال سے شاداب ہو کر جاتے تھے، اس کے خوان کرم سے ہزارون مستفیض ہوتے تھے جو صاحب کمال اسکا نام سنتا، ملاقات کا مشتاق ہو جاتا۔ اسنے اپنی حکمت عملی، گرمجوشی، دانش پژوہی سے اکبر کی سپہ سالاری اور وزارت کے کام کو ایسی خوش اسلوبی اور احسن طریقہ پر انجام دیا ہے کہ آج خانخانان کا نظیر اکبری دربار مین امرا کے طبقہ مین کوئی نظر نہین آتا اکبر نے اسے میرزا خانی کا پہلے خطاب دیا۔ اور خان اعظم مرزا عزیز کوکلتاش کی ہمشیرہ ماہ بانو بیگم سے خانخانان کی شادی کرادی۔

بارہ سال کے عمر مین اکبر نے اسے قلب لشکر مین قائم کیا، جو عمدہ سپہ سالارون کی جگہ ہے۔ ۹۸۸ھ اکبر اسکی خداترسی، دیانتداری، علو ہمتی اور جوہر لیاقت کا چشمہ بہتا دیکھکر عرض بیگی کی خدمت تفویض کی۔ ۹۹۰ھ مین خانخانان نے جب ۲۸ وین سال مین قدم رکھا تو اکبر نے اپنے ولیعہد جہانگیر کی اتالیقی کی خدمت دربار مین باوجود بڑے بڑے کہنہ سال تجربہ کار، کارگزار، امرا موجود رہتے ہوئے خان خانان کے سپرد کی ۹۹۱ھ مین اکبر نے خطاب خان خانی سے ممتاز کرکے اپنا وزیر اعظم مقرر کیا۔ اتفاق دیکھو کہ اکبر کا اتالیق اسکا باپ بیرم خان تھا اور خانخانان اکبر کے لڑکے جہانگیر کا اتالیق ہوا۔

فیاضی وجود وکرم کے میدان مین بھی اپنے عہد مین سب سے آگے تھا۔ اسکی سخاوت کے کارنامے اکثر داستانون کے رنگ مین انجمنون اور جلسون پر پھول برساتے ہین شعرا نے جتنے قصیدے اسکی مدح مین لکھے ہین اتنے کسی امیر کی شان مین نہین لکھے۔

ملا شکیبی کہ خانخانان کا ملازم تھا اسنے ایک مثنوی ٹھٹھ کی فتح پر لکھکر پیش کی تھی اس نے صلہ مین ہزار روپیہ انعام دیا عرفی نے جب یہ قصیدہ

اے داشتہ در سایۂ ہم تیغ وقلم را

پیش کیا تو خانخانان نے ایک لاکھ روپیہ انعام دیا، اسیطرح شعرا گنوان پنڈت ہزارون آتے تھے اور انعام واکرام پاتے تھے
ملا عبد الباقی نہاوندی[1] نے اس کے شان مین جو قصائد لکھے گئے ہین ان کو جمع کرکے ایک ضخیم کتاب

[1] ملا عبد الباقی نہاوندی کی حالات سے متعدد کتب معتبرہ جیسے جام جہان نما قلمی نسخہ صفحہ ۸۱، تذکرہ طاہر نصیرآبادی قلمی نسخہ صفحہ ۱، مجمع النفائس قلمی نسخہ جلد دوم، صفحہ ۳۰۳، عرفات العاشقین قلمی نسخہ جلد دوم صفحہ ۴۱۹ پُر ہین، لیکن مین مصنف کی تصنیف سے ان کے مضمون کا مختصر اجمال کے ساتھ گلدستہ بناکر قارئین عظام کے سامنے پیش کرتا ہون، امید ہے کہ نظر تحسین سے دیکھا جائے،

عبد الباقی کا مسقط الراس نہاوند کے قریہ جو ملک مین ہے، نہاوند، نون اول کو مفتوح اور مکسور دونون جغرافیہ والون نے جائز رکھا ہے، یہ ایک عظیم شہر ہے جو ہمدان کے غربی جانب واقع ہے، ۲۱ھ مین خلیفہ ثانی حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانہ مین فتح ہوا ہے، اور جونکہ کے گرد و نواح مین بیس ہزار سے زیادہ اُن کے خانوادے ہین، خاندان کا سلسلہ افراسیاب سے ملتا ہے، عالی خاندان تھا، نہاوند کی فضا مرغوب خاطر اور دلپسند ہوئی، وہان بود و باش اختیار کی، وہان تعلیم پائی، سلاطین صفویہ کی ملازمت مین منسلک ہوگئے، اُن کے والد ماجد کا نام آقا بابا تھا، ملائی تخلص کیا کرتے تھے، طبعزاد آپ کے بہت مین طبیعت دقاد، اور ذہن نقاد، قدرت نے عطا کیا تھا، اور دفتر کے علوم اور سیاق و حساب مین بھی فرد تھے،

عبد الباقی کے بھائی بہت بڑے جلیل القدر شخص امرا مین شمار کیے جاتے تھے، آقا خضر نام ہے، شاہ عباس اوّل کے زمانہ مین گیلان کے وزیر مقرر ہوئے، (شاہ عباس اوّل نے ۴۲ سال تک سلطنت کی تھی، اور سنہ ۱۰۳۸ھ (۱۶۲۹ء) مین مرا) پھر دار الملک ہمدان کے دیوان مقرر کیے گئے، نہایت محمود السیر وزیر ہونے کے باعث عوام مین بھی انکی قدر و منزلت ہوئی، سلطان کو بھی انکی دیانت داری، عدل گستری، رعیت پروری، کفایت شعاری، کاردانی، اور دانش پژوہی پر پورا پورا بھروسہ ہوگیا، دار المومنین کاشان کے وزیر اور متصدی مقرر کر دیے گئے، سنہ ۹۹۹ھ (۱۵۹۱ء) مین اعراب ممالک محروسہ کی حکومت آقا خضر کو مکمل طور پر ملی، اور اس کے علاوہ سادہ کے متصدی ہوئے، اس وزارت کے عہدہ جلیلہ پر تقریباً بیس سال، بلا مشارکت غیرے مامور رہے،

تذکرہ نویس کاشی امیر تقی الدین محمد نے آقا خضر کے نام ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "مآثر الخضریہ" ہے، اس مین ان کے آثار خیرات و مبرات، اور رفع بدعات اور بعض رسومات بدعی وغیرہ کو بالتشریح ذکر کیا ہے،

عبد الباقی نے بھائی اور والد کے منصب جلیلہ کے ایام مین ہمدان مین مدت گذاری اور بعض اوقات سمنان، بسطام، دلمان، لاہیجان، گیلان، لورنات، فارس، یزد، ابرقوہ مین گھومے، اور اپنے والد و برادر مکرم کے کامون کو گاہے ملبے انجام بھی دیا کرتے تھے، پھر کاشان کے خالصہ بادشاہی ادا کرنے کے لیے متصدی کے عہدہ جلیلہ پر مامور ہوئے، رعایا کی فلاح، بہبودی کو اپنا فرض منصب تصور کرتے تھے، اور ایران کے برگزیدہ، مشاہیر اور ذی استعداد لوگون کی صحبت جیسے حکیم رکن الدین مسعود مسیحی، خدام میرزا ابو تراب ترکمان، مولانا حاتم، فہمی، شعوری، کسری، سید السادات امیر رفیع الدین حیدر معما، ملک طیفور، ملا حیرتی، اور امیر تقی الدین، محمد تذکرہ نویس وغیرہ باکمال لوگونکی خدمت فرض عین اور عین فرض سمجھتے تھے،

سید السادات امیر مغیث الدین علی محوی اسد آبادی ہمدانی خانخانان کے دربار مین ملازم تھے، وہ رخصت لیکر کاشان آئے، عبد الباقی سید صاحب کو بزرگون کی طرح مانتے تھے، انکی ملاقات کو کاشان پہنچے، اور شرف ملاقات حاصل کیا، امیر مغیث الدین ہمدانی نے، خانخانان کے احسان، انعام، اکرام، بزرگی، نکتہ دانی، سخن سنجی، اور قدردانی، دریا دلی، فیاضی کی تعریفین کین اور خانخانان کے احسان ذاتی جو خاص ان سے تعلق تھے، عبد الباقی سے بیان کیے،

عبد الباقی نے تمام اوصاف حمیدہ، و خصائل پسندیدہ کو سنا، غائبانہ، بندہ دار اس کے ملاقات کے متمنی ہوئے، سنہ ۱۰۰۰ھ (۱۵۹۱ء) مین شعرا نے ایک غزل کی طرح ڈالی جسکا قافیہ "مژگان" "حرمان" تھا، سید مغیث الدین کی فرمائش سے عبد الباقی نے غائبانہ

(بقیہ صفحہ دیگر)

کتاب بنا دی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ کس تقریب مین یہ قصیدہ کہا گیا تھا، اور خان خانان سے کس قدر انعام اسے ملا تھا، اس سے اکثر تاریخ کے واقعات و جزئیات معلوم ہوتے ہین، عبد الباقی نے اس کو بڑی محنت سے لکھا اور "مآثر رحیمی"[2] اس کا نام رکھا ہے۔

بقیہ حاشیہ[1] انہاس سے خانخانان کے نام نامی پر اس غزل کو مزین کیا جو مندرجہ ذیل ہے:-

ای کہ علطم بخون دیدۂ مژگان نیستم — تا بکی سوزم بحسرت داغ حرمان نیستم
عندلیب باغ عشقم لیک در کنج قفس — سوزشے دارم کہ محتاج گلستان نیستم
گر بشاخ گل زنم آتش نہ بیدادی بود — منکہ مجنون گلم از باغ و بستان نیستم
تا نشان یابم ز لیلی جانب حی می روم — در رہ دلگیر از مکلوم این بیابان نیستم
در عراق پُر نفاق، این آرزو می سوزدم — کز سخن سنجان بزم خانخانان نیستم

اس غزل سے صاف واضح ہے کہ ایران مین طوائف الملوکی کی ہوا اسوقت پھیلی ہوئی تھی اور عبد الباقی کا دل اکھڑا ہوا تھا اور ہمت پست ہوچکی تھی، خیر، امیر مغیث الدین کو یہ غزل نہایت پسند آئی، انھون نے رائے دی کہ استاد الخط امیر عماد قزوینی سے نستعلیق خط مین بطور قطعہ کے لکھوا کر کسی کی معرفت جو ہندوستان جاتا ہو، خانخانان کے دربار مین بھجوا دو، عبد الباقی نے انکی تعمیل حکم کی، اور غزل لکھوا کر ارسال کر دی، سنہ ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ء) مین ان کے بھائی آقا خضر وزیر شہید ہوئے جسکی تاریخ امیر حیدر معمائی نے "انت الباقی و کل شئ ہالک" کہی ہے،

شاہ عباس اول نے عبد الباقی کو آقا خضر کے عہدہ جلیلہ پر مامور کیا مگر مفسدون نے ریشہ دوانیون مین کمی نہین کی، چھ سال بمشکل تمام ایران مین کاٹے، سنہ ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ء) مین طالع نے یاوری کی، عبد الباقی برہان پور (خاندیس) مین آکر خانخانان کے عتبہ عالیہ تک پہونچے اور زمین بوس ہوکر شرف نیاز حاصل کیا، خانخانان کو تو پہلے ہی سے عماد قزوینی کی لکھی ہوئی غزل پہنچ چکی تھی، انکی قادر الکلامی و انشاپردازی سے واقف تھا، بہت خاطر و مدارات کی، اور جاگیر لائقہ، مناصب مناسبہ سے ممتاز و مفتخر کیا اور مآثر رحیمی کے لکھنے کا حکم دیا،

سنہ ۱۰۴۲ھ (۱۶۳۲ء) مین اس مجمع کمالات کے حیات کا پیالہ لبریز ہوا اسکا ممدوح ۶ سال اسکے وفات کے قبل دنیا کو خیرباد کہہ چکا تھا،

[2] مآثر رحیمی کا نادر الوجود نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانہ مین موجود ہے جو اسوقت پیش نظر ہے، اس نسخہ کا طول ۱۲ انچ اور عرض آٹھ انچ ہے، پچیس سطرین ہر صفحہ مین ہین، کاتب الحروف نے معمولی باریک نستعلیق مین خوب گانٹھ کر لکھا ہے، عنوان سرخ سیاہی سے لکھا ہوا ہے اور بعض جگہ خالی بھی ہے، ۵۹۰ صفحات ہین، اکثر اوراق کثرت نقل اور جگہ جگہ تحویل کے باعث متفرق اور پریشان ہوگئے ہین، اور چند صفحے کیڑے اور دھوئین کے سبب مثقوب اور مسقوط ہین اور اکثر جگہ متن سے حاشیہ تک محو ہین جو پڑھے نہین جاتے، بہرحال اس نسخہ نفیسہ مین چند خصوصیتین ہین کہ دوسرے نسخے مین نہین،

(۱) واضح ہو کہ دنیا مین صرف ڈیڑھ نسخے اس کے ظاہر ہوئے ہین یعنی اس کا ایک مکمل نسخہ صرف یورپ کے کیمبرج لائبریری مین ہے اور صرف خاتمہ کا حصہ بانکی پور کے کتب خانہ مین موجود ہے،

(۲) یہ بیش بہا نسخہ خاندان مغلیہ کے بادشاہون کے ملاحظہ مین بھی آچکا ہے، شاہجہان اور اورنگ زیب کے کتب خانون کو بھی کچھ دن زینت دی ہے، جو اس کے ابتدائی ورق سے ہویدا ہے، شاہجہان اور اورنگ زیب کی مہرین ہین، انکے امرا کی تحریرات و ترقیات ہین،

(۳) تیسری خصوصیت نہایت اہم ہے کہ مصنف نے اس نسخہ کو اپنے خاص مخلص قاضی عبد العزیز جو غالباً ہمدان کا

(بقیہ صفحہ دیگر)

عبدالرحیم خانخانان کا کتب خانہ ،

خانخانان نے اپنا بے مثل کتب خانہ احمد آباد گجرات مین قائم کیا تھا، اس مین نادر الوجود قلمی کتابون کا ایک ذخیرہ تھا، نایاب جلدین تھین، اور اچھوتا مضمون ہر موضوع پر تھا، اور اکبر کے عہد کے ہر قابل شخص کی زندگی پر لکھی ہوئی کتابین تھین، اہل علم اور صاحب کمال کتب خانہ مین تنخواہین اور جاگیرین رکھتے تھے، خانخانان کا شوق ان کے آئینہ ایجاد کو جانتا تھا، قلمی کتابون کی اصلاح انکی باکمال ذات سے وقوع مین آتی تھی،

جو کسی ذی اقتدار عہدہ جیسے وزیر اعظم، بادشاہ، یا قاضی القضاۃ کے منصب پر مامور تھے ان کے کتب خانہ مین بھی نسخہ یادگار کے لیے ہدیہ ارسال کرتا ہے، اور اپنے ہاتھ سے اس نسخہ کے پہلے ورق پر ذیل کی عبارت لکھتا ہے:- "برسم کتاب خانۂ صدر اعظم، ودستور مکرم، اصحاب السیف والقلم، افلاطون یونانی، و بو علی ثانی، فرزند... عین القضاۃ ہمدانی، باعث مصالح...... و موجب رفاہیت اہل عالم، وارث علم و حکم بالارث والاستحقاق، قاضی عبدالعزیز سلمہ اللہ تعالیٰ فرستادہ، کہ ازین بندۂ خاکسار، و مخلص اخلاص شعار عبدالباقی نہاوندی، کہ مؤلف و مصنف این گرامی نسخہ، موسومہ بمآثر رحیمی است، دران سرکار یادگار بودہ باشد، و چون بجہت کوتاہی وقت، مقابلۂ بعض اوراق، و اتمام بعض حالات، خصوصاً احوال سلاطین دکن کہ نسخہ ناتمام است درینجا ناتمام، باید بقید کتابت در آورد، اُمیدوار است کہ بنظر کیمیا اثر آن ملاذ و ملجائے اہل عالم انجامد"

اور خاتمہ مین یہ مضمون ہے:- "بتاریخ پانزدہم جمادی الثانی ہزار و بست و شش ہجری، وقت دو پہر مؤلف این ذرّہ نامہ عبدالباقی نہاوندی، بشرف اتمام مقابلۂ این نسخہ، کہ بجہت یادگاری، خواجہ سلطان محمد اصفہانی نوشتہ شدہ بود توفیق یافت بقدر قدرت و حالت کوشیدہ، اگر سہوے و خطائے درین نسخہ بودہ باشد بجہت طرف مقابلہ خواہد بود"

(۴) چوتھی صفت یہ ہے کہ اس کے اکثر متون اور حواشی مصنف کے ہاتھ کے تصحیح کیے ہوئے ہین،

ان تمام اوصاف بالا پر تعمق کی نظر ڈالنے سے فوراً یقین ہوتا ہے کہ یہ نسخہ سب سے اول لکھا گیا ہے، مگر اس کا پتہ نہین چلتا ہے، کہ بعد ان سے شاہان مغلیہ کے کتب خانہ مین اور وہان سے کلکتہ مین کیونکر آیا، یہ ممکن ہے کہ بعد ان مین قاضی صاحب کے کتب خانہ مین نہ پہنچا ہو، یاران طریقت نے راستہ ہی سے اُڑا کر شاہجہان کے کتب خانہ کے لیے فروخت کر دیا ہو، مگر حسّان الہند میر غلام علی آزاد بلگرامی المتوفی ۱۲۰۰ھ مین اس نسخہ کو حیدر آباد کے کتب خانہ مین دیکھا ہے، وہ یون رقمطراز ہین "نسخۂ مآثر رحیمی، کہ ملحقات بعض حواشی و اصلاح متن بخط مصنف موصوف عبدالباقی نہاوندی بود در حیدر آباد بنظر مطالعہ درآمد" حسّان الہند کی عبارت چوتھی خصوصیت کی شہادت دیتی ہے کہ حیدر آباد مین بھی یہ نسخہ کچھ دنون تک موجود تھا، وہان سے کلکتہ آیا ہوگا، ممکن ہے کہ ٹیپو سلطان کے کتب خانہ مین گیا ہو اور لوٹ کے وقت یہان آیا ہو،

بہر حال اس نسخہ کے نادر اور بیش قیمت ہونے مین اب کسی طرح کا شک باقی نہ رہا،

میرے حبیب مکرم، و صدیق معظم شمس العلما خان بہادر محمد ہدایت حسین معلم عربی و فارسی پریسیڈنسی کالج کلکتہ، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی طرف سے اس کے ایڈیٹ کرنے پر مقرر ہوئے ہین، تقریباً پانچ فیسیکولا یعنی ۸۰۰ اوراق سے زیادہ طبع ہو چکے ہین، غالباً دو تین سال کے عرصہ مین یہ کتاب پوری شایع ہو گی، اور میرا موضوع تو اس کے خاتمہ مین ہے جو اب تک شایع ہی نہین ہوا ہے، اور یہ بھی دلچسپی سے خالی نہین،

اور سنہری اور خوبصورت جلدون سے انگوزنیت دیجاتی تھین، خانخانان کو فراہمی کتب کا بیحد شوق تھا، اور اس قدر کتابین مہیا کی تھین کہ وہ دار الحکمت کا کام دیتا تھا، ایک عجیب خصوصیت اس کتب خانے کی یہ تھی کہ جس قدر ممتاز و معروف شعرا اس کے دربار مین تھے، ان کے دیوان خود ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے کتب خانے مین محفوظ تھے، اکثر شعرا اس کتب خانہ کی خدمت پر مامور تھے، کتب خانہ مین غزلون کی طرحین دیجاتی تھین، شعرا جلسہ مشاعرہ منعقد کیا کرتے تھے، خانخانان خود بھی شریک جلسہ ہوا کرتا تھا، اور منشی خود ان طرحون مین غزلین کہی ہین، اور زور آزمائیان کی ہین نمونہ کے طور پر پیش کرتا ہون،

بجز اہل غرض قرب و بعد مانند است ... دل شکستۂ ما را ہزار پیوند است

ازان دمم کہ بحسرت فگندہ دیدن او ... نگہ بگوشۂ چشم ہنوز در بند است

نظر دلیر نشد تا مژہ بہ پیش آمد ... حجاب اگر پر کاہ است کوہ الوند است

شمار شوق ندانستہ ام کہ تا چند است ... جز این قدر کہ دلم سخت آرزومند است (خانخانان)

بکیش صدق و صفا حرف عہد بیکار است ... نگاہ اہل محبت تمام سوگند است

نہ دام دانم و نہ دانہ این قدر دانم ... کہ پائے تا بسرش ہر چہ ہست پابند است

خانخانان نے خود بھی زر کثیر صرف کر کے قلمی کتابین خریدی تھین، دربار اکبری کے اکثر باکمال اس کتب خانہ کے تربیت یافتہ ہین، ملا عبدالباقی مآثر رحیمی قلمی نسخہ کے صفحہ ۸۸ مین کتب خانہ پر یون اظہار رائے کرتے ہین:- "دانشمندان در کتاب خانۂ اش کہ مکتب خانۂ ہوشمندان است بافادہ و استفادہ شہرۂ عصر شدند"، ان مین سے چند باکمالون کے نام پیش کرتا ہون،

(۱) شیخ عبدالسلام جنکا وطن بہرائچ تھا، اور ان کے والد بھاکا زبان کے مشہور و معروف شاعر تھے برہمی تخلص تھا، جب وہ مکۂ معظمہ حج کے لیے تشریف لیے جا رہے تھے، اس وقت اپنے صاحبزادے عبدالسلام کو کتب خانے کا داروغہ بنا گئے، یہ عبدالسلام خانخانان کے زیر تربیت رہے اور رفتہ رفتہ علم کے اعلیٰ درجہ پر پہنچے

۲- شجاع، ان کا وطن ملک شیراز تھا، خط نسخ اور ثلث مین مہارت تامہ حاصل تھا، ۹۹۹ھ/۱۵۹۰ء مین بمقام ٹھٹھہ[1] خانخانان کے دربار مین آئے، اور ترقی کرتے کرتے کتب خانہ کے معتمد اشخاص مین شمار ہونے لگے،

۳- ملا عبد الرحیم، جنکو عنبرین قلم کا خطاب ملا تھا، ان کا زاد و بوم ہرات تھا، خط نسخ اور نستعلیق مین نہایت کمال حاصل تھا، خانخانان کے دربار مین آئے، خانخانان نے انکی تربیت پر خاص توجہ کی، رفتہ رفتہ عبد الرحیم خان نے اس قدر ترقی کی کہ محمد حسین کشمیری کے سوا اس زمانہ مین خوشنویسی مین کوئی شخص انکا مقابل نہ تھا، خانخانان کے کتب خانے مین اکثر کتابین ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھین، خانخانان انکو وقعت و شفقت کی نظر سے دیکھا کرتا تھا،

۴- میر باقی ماوراء النہری ترکستان کے رہنے والے تھے، خاندان سادات مین سے تھے، کتب خانہ مین تربیت پائی اور کتب خانے کی افسری پر مقرر ہوئے،

اس کتب خانے مین ۹۵ فضلا و علما مستقل طور سے موجود تھے، جو خانخانان کے ظلِ عاطفت مین تھے، ان کے علاوہ بہت سے علما عارضی طور سے کتب بینی اور استفادہ کے لیے آیا کرتے تھے،

کتب خانہ کی ترتیب و انتظام کے لیے اہل کمال و فن کا ایک بڑا عملہ مقرر تھا، یہ نا تمام نسخون کی تکمیل کرتے تھے، تصویرین اور شبیہین کھینچتے تھے، مرقع طیار کرتے تھے، کتابون کی لوح وغیرہ پر طلائی کام بناتے تھے، اور اکثر صناع جنکو خانخانان ترتیب دینا چاہتا تھا کتب خانہ کے کام پر مقرر ہوتے تھے، اور ترقی کرتے کرتے نادرہ روزگار بنجاتے تھے،

کتب خانہ کا جو عملہ تھا اس کے مشہور ارکان ملا محمد امین جدول ساز، ملا محمد مومن، محمد حسین کامی، بقائی، غنی ہمدانی تھے،

[1] ٹھٹھہ، یہ شہر سندھ کے خود مختار فرمانروائون کا دار السلطنت تھا، ۹۲۶ھ مین ارغون کے خاندان نے جنکے خاندان کا سلسلہ چنگیز خان سے ملتا ہے، سندھ کو فتح کیا تھا، ۹۹۹ھ/۱۵۹۰ء مین اکبر نے سندھ کو سلطنت مغلیہ سے ملانے کی خواہش کی تھی، اس کے ۲ سال بعد جنگ مین بیرم خان نے فتح حاصل کی اور سندھ سلطنت مغلیہ مین ملا دیا گیا،

۱- محمد امین خراسانی یہ ایک مشہور جلد ساز اور رنگ طلائی کے ماہر تھے، انھون نے مشہد کے کتب خانہ مین بہت دنون تک کام کیا، محمد امین، خانخانان کے دربار مین ایسے وقت مین پہنچے جب خانخانان ازبکون کے مہمات مین مصروف تھا، چار سو روپیہ ماہوار پر خانخانان نے کتب خانہ مین ملازم رکھا، یہ محمد امین خراسانی وہی شخص ہے جس نے کہ ابری کاغذ ایجاد کیا ہے،

۲- ملا محمد حسین، ملا محمد مومن کے بھائی تھے، جلد سازی کے فن مین کمال رکھتے تھے، مصوری کا کام بھی بہت خوب جانتے تھے، ۵۰ سال تک کتب خانہ مین ملازم رہے، عبد الباقی جب مآثر رحیمی تصنیف کر رہے تھے اس وقت بھی یہ باکمال موجود تھا، اور کتب خانہ کا تمام کاروبار محمد حسین جلد ساز کے ذمہ تھا،

۳- میان فہیم، میان ندیم، اول الذکر کے نام سے ہندوستان مین یہ کہاوت مشہور ہے: "کہ کمائین خانخانان اور لٹائین میان فہیم" یہ ایک راجپوت کے بیٹے تھے، خانخانان نے اپنے بچون کی طرح پرورش کی، اور بیٹون کے ساتھ تعلیم و تربیت دی تھی، انھین ہمت و شجاعت کا دودھ پلوایا، اور لیاقت اور ادب کے معلم سے سبق پڑھوایا تھا، میان ندیم میان فہیم کے بھائی تھے، فن مصوری مین ان کے مثل اس زمانہ مین کوئی نہ تھا، کتب خانہ مین تربیت پائی تھی،

۴- بہبود میرزا مشہور خوشنویس تھے، جوہر علی خوشنویس کے بھائی تھے، نقاشی اور خوشنویسی مین ان کو کمال تھا، کتب خانہ مین ملازم تھے،

۵- مشفق، فن نقاشی مین یکتائے روزگار تھے، اور کتب خانہ مین اسی کام پر مقرر تھے،

۶- مادھو، ہندو تھا، مصوری، شبیہ سازی مین نادرہ روزگار تھا، کتب خانہ کی اکثر کتابین اسی کے ہاتھ کی بنائی ہوئی تھین،

۱- مولانا صوفی[1] ایک عالم متبحر تھے یہ بھی کتب خانہ مین ملازم تھے،

[1] مآثر رحیمی قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال،

۲- ملا محمد علی کشمیری سنہ ۱۰۲۳ھ مین خواجہ صاین الدین کی ایک کتاب عربی کو فارسی ترجمہ کے لیے ماموُر ہوئے، اور نہایت فضل و قابلیت سے ترجمہ کیا، اور اس کا دیباچہ خانخانان کے نام نامی پر مزین کیا، اس کے صلہ مین خانخانان نے انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا،

۳- نظیری نیشاپوری نے سنہ ۱۰۲۲ھ مین خانخانان سے آگرہ مین شرف ملازمت حاصل کیا اور اپنا دیوان ان کے کتب خانہ کے لیے ہدیہ دیا، اس کے پہلے قصیدہ کا مطلع ہے:-

بعم مژدہ کہ عیش ابد نثار آمد شگفتہ روئی جاوید را مدار آمد

۴- خواجہ حسین ثنائی خراسانی کے کلام کا مسودہ اور اول ثنائی قصیدہ ملا عبد الرحیم خوشنویس مذکور کا لکھا کتب خانہ مین تھا جس کو ثنائی نے اصلاح کی نیت سے کتب خانہ مین ارسال کیا تھا،

۵- محتشم کاشی کی مثنوی جو امیر معز الدین محمد کاشی خوشنویس کی لکھی ہوئی تھی اور اس کے نقل مین ایک لاکھ روپیہ خرچ ہوا تھا، وہ مثنوی بھی کتب خانہ مین موجود تھی،

۶- عرفی نے بھی دم واپسین اپنے اشعار کے مسودات کو کتب خانہ مین دیدیا تھا اور خانخانان ہی نے اُسے مرتب کرایا تھا جو آج بازار مین پایا جاتا ہے،

۷- نور الدین محمد ظہوری کے ہاتھ کے اشعار اس کتب خانہ مین موجود تھے،

۸- محمد شریف وقوعی، جو نیشاپور خراسان کے ایک جید اور مستعد شاعر تھے، سنہ ۱۰۱۲ھ مین اُنھون نے انتقال کیا تھا، اُن کے ہاتھ کے چند قصیدے جو خانخانان کے اوصاف مین ہین کتب خانہ مین موجود تھے،

۹- ساوجی صرفی، ساوۂ عراق کے ایک بزرگ زبردست شاعر تھے، خانخانان کی مدح مین اُن کے ہاتھ کے چند قصیدے لکھے ہوے کتب خانہ مین موجود تھے،

۱۰- ملا شکیبی یہ بھی کتبخانہ مین ملازم تھے، ایک مثنوی خصوصاً ٹھٹھہ کی فتح پر لکھی تھی، جس کے صلہ مین ہزار اشرفی انعام خانخانان سے پایا تھا، علیٰ ہذا القیاس بہت سے شعرا ہین جنکے ہاتھ کے لکھے ہوے مسودات کتبخانہ مین موجود تھے، اور جنکا ذکر طوالت سے خالی نہین،

تباہی غرناطہ کے دو ہیرو

از ابیلا اور فرڈی نینڈ

از

منشی محمد خلیل الرحمن صاحب، مترجم نفح الطیب و اخبار الاندلس

ان المساءۃ للمسرۃ موعدٌ اختان رھن للعشیۃ اوغدِ

مدت سے جی چاہ رہا تھا کہ فنا لہ المسلمین ازابلا دی کیتھولک کے حالات لکھون، مگر خیالات کا کچھ ایسا تلاطم ہوا کہ قلم اپنے حد سے تجاوز کر گیا، اور بجائے اس دو سنگین دل، بلا، کی لائف کے یہ مضمون غرناطہ کی "نگاہ آخرین" ہو گیا، حقیقت یہ ہے کہ ازابلا کا نام زبان پر پیچھے آتا ہے، غرناطہ کی تباہی پہلے سامنے آجاتی ہے، اس لیے اگر ذیل مین ازابلا کی صرف لائف ہی نہو بلکہ کچھ اور بھی ہو تو تعجب نہ کرنا چاہیے،

اندلس کے فاتح حضرت طارق (اُن پر اور اُن کے رفقا پر خدا کی رحمت ہو) خدا کی قدرت کا درحقیقت نمونہ تھے جنھون نے جولائی سنہ ۷۱۱ء مین دریائے وادلیش کے کنارہ پر ایک فیصلہ کن جنگ کا ایسا نظارہ دکھایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گاتھون کے آخری تاجدار نے اپنی فوج کے ساتھ اپنی (بلکہ عیسائیون کی) سلطنت اسپین بھی کھوئی، اور اپنی جان بھی، عیسائیون نے اُس جنگ کے نتائج بد کا بدلہ لینے مین آٹھ سو برس متواتر کوشش کی جسکی تاریخ مین مثال نہین ملتی، اس معرکہ مین جو جھنڈا سید نا طارق نے گاڑا تھا اس کو سنہ ۱۴۹۲ء تک عیسائی نہ اُکھاڑ سکے، اور اُکھاڑا بھی تو لاکھون بلکہ کرورون جانین دینے کے بعد، پھر بھی اس طرح کہ بروپیگنڈا کیا گیا، دنیائے مسیحی کے جوش کو اُبھارا گیا، جناب پوپ سے

استمداد کی گئی مسلمانون سے خود انکی تباہی کے لئے امداد لی گئی اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا
کہ مسلمانون کو اسپین سے نکالنے کی کوشش اسی دن سے شروع ہوگئی تھی کہ جس دن راڈرک کو
شکست ہوئی، اس مین کوئی شبہہ نہین کہ زمانہ امارت (جسکو عبدالعزیز بن موسی ابن نصیرؒ کے زمانے سے
شروع کرکے عبدالرحمن الداخل بردالله مضجعه کے پہونچنے تک شمار کرنا چاہئے) ایک نہایت مظلم زمانہ تھا
یہ وقت ایسا تھا کہ عیسائی بادنیٰ کوشش اسلام کے نئے پودے کو اکھاڑ پھینک سکتے تھے، لیکن
عیسائی غریب پریشان حال ہی اتنے تھے کہ ان کے بنائے کچھ نہ بن سکتا تھا، امارت وخلافت بنوامیہ
باوجود دو ایک بادشاہون کی نالائقی کے اتنی مضبوط تھی کہ اس کو عیسائی نقصان نہ پہونچا سکے
منصور رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد طوائف الملوکی ہوئی، عیسائیون نے زور کیا اور حقیقت یہ ہے کہ
وہ بہت کچھ کامیاب بھی ہوگئے، مگر مسلمانون کی قسمت اچھی تھی کہ سیف اللہ امیر المسلمین یوسف بن تاشفین
نے انکی مدد کی، اندلس کی سرزمین کو نجاست کفر سے پاک کیا، ان کے خاندان کے بعد ہی موحدین
وہان پہونچ گئے، کس کی مجال تھی کہ ان سے کوئی دوچار ہوتا، چند روز مین آخر انکا بھی انحطاط
ہوا اور تشتت وتفرق نے مسلمانون کو بہت ہی کمزور کردیا، مگر مسلمانون کی خوش قسمتی، اور عیسائیون
کی بدبختی کہ اُن (عیسائیون) کے جو چھوٹے چھوٹے بادشاہ تھے وہ کسی طرح متفق نہ ہوئے، اور ایک دوسرے
کی جان کے دشمن رہے، اگر یہ نہ ہوتا تو یقیناً سنہ ۱۴۹۲ء مین نہین بلکہ سنہ ۱۲۹۲ء سے پہلے ہی مسلمانون کا نام
ونشان اندلس سے مٹا چکے ہوتے، یہ اتفاق ازابلا اور فرڈی نینڈ کی شادی سے میسر آیا، اور اُسی کا
نتیجہ مسلمانون کی تباہی ہوا،

مین اس ڈرامے کا آخری سین لکھنا چاہتا ہون، گو آپ کا دل دکھے اور میری آنکھون سے آنسو نکلے
مجھے اس کا اعتراف ہے کہ یہ ناچیز مضمون بہت کچھ نا مکمل ہے، لیکن اگر اس کو میری کتاب،
"اخبار اندلس" کے باب بست و دوم کے ساتھ ملا کر پڑھا جائیگا تو زیادہ لطف حاصل ہوسکتا ہے،

جوآن دوم نے سنہ ۱۴۵۴ء مین مرتے ہوئے تین اولادین چھوڑین، ایک آمیزیک جو اسکی
پہلی بیوی، میریا آف ارگون کے بطن سے تھا، اور دو اولادین ایک لڑکا مسمی الفانسو اور
ایک لڑکی شہزادی ازابیلا، دوسری بیوی ازابل آف پرتگال سے تھی، یہی آخرالامر ازبیلا وہ
تھی جو "دی کیتھولک" کا خطاب پاکر مسلمانون کی قاتلہ ہونے والی تھی (جوآن دوئم کے بعد اسکا
متذکرہ بالا بیٹا آمیزیک تخت پر بیٹھا، شروع مین اس نے اس اسراف سے کام لیا کہ اس کا لقب
"فیاض" پڑگیا، لیکن بعد مین جو حرکتین اس سے سرزد ہوئین وہ ایسی تھین کہ اس کے کئے
دھرے پر پانی پھر گیا،)

جوآن دوئم اپنی رعایا سے ہمیشہ الگ تھلگ رہا، برخلاف اِس کے آمیزیک نے رعایا
سے خلا ملا رکھا، اس کی ذاتی وجاہت اور تن و توش بھی ایسا تھا کہ وہ چند ہی دنون مین اپنی رعایا
کا ممدوح ہوگیا، اپنے باپ کے وزرا اور ارکین کو اپنے اپنے عہدون پر بحال رکھکر ان کا موصوف
بنا، مگر زمانہ کا اقتضا یہ تھا کہ تاوقتیکہ وہ کوئی بہادری نہ دکھلاتا رعایا مین ہر دل عزیز نہ ہوسکتا
تھا، اس کے لئے کسی سامان کی ضرورت نہ تھی کیونکہ کم مور مسلمین کے مستحق ستم کے لئے باقی تھے،
چنانچہ اُس نے ایک کانفرنس منعقد کی، اس کے سامنے اُس نے جو تقریر کی اس کا خلاصہ یہ ہے
"وہ قوم مردہ ہوجاتی ہے جو ہاتھ پر ہاتھ رکھکر بیٹھ رہے، حرکت ہی مین برکت ہے عیش وعشرت کا نتیجہ
قوم کی موت ہے، مسلمانون سے لڑنا عیسائیان اندلس کا فرض اولین ہے، کیونکہ مسلمان نہ صرف
غاصب ہی ہین، بلکہ دین حق مسیحی کے دشمن، اس لئے کسی بہانہ کے ڈھونڈھنے کی ضرورت نہین
ہے، اور اس وقت تو تین وجوہ ایسی موجود ہین کہ ان کے خلاف جنگ ابھی فوراً شروع
ہوسکتی ہے، اول یہ کہ اُن کا تباہ کرنا ہمارے لئے اشد ضروری ہے، دوسرے یہ کہ ہمین اپنے ملک
کو غاصبون سے صاف کرلینا خود ہماری ہستی کے لئے لازمی ہے، تیسرے یہ کہ ان پر چڑھائی کرنی

خدائے تعالی کی خوشنودی کا باعث ہی، امرانے اس تقریر کو بگوش رغبت سنا، حقیقت یہ ہی کہ اُس زمانہ مین لوگون کو کوئی شغل بھی نہ تھا، نہ خانہ جنگی تھی، نہ ہمسایون پر چڑھائی، اِس کے علاوہ مسلمانونکو سرون سے چوگان کھیلنا وہان کا نہایت دلچسپ کھیل تھا، اور ہر شخص اس کا متمنی رہتا تھا، اتفاق کی بات تھی کہ سو برس سے یہ تماشا بھی نہ ہوا تھا جس کے لئے لوگون کے دِل بے چین تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ آمیزیک نے بہت سی فوج جمع کر لی اور نہایت طمطراق سے مسلمانان غرناطہ پر چڑھائی کرنیکے لئے چل پڑا، فوج بھی اپنے بادشاہ سے بڑی بڑی اُمیدین لگائے ہوئے تھی، اور اس خیال مین تھی کہ بادشاہ کی بسالت کے جوہر دیکھنے مین آئینگے، لیکن مضافات غرناطہ تک پہونچتے پہونچتے یہ سب اُمیدین خاک مین مل گئین، آمیزیک نے حکم عام جاری کر دیا کہ الگ الگ ٹولیان بنا کر مسلمانون پر حملہ نہ کیا جائے، کیونکہ ایسی لڑائی مین یہ لوگ بہت ہی مشاق ہین اور یقیناً وہ عیسائیون کو شکست دین گے، ایک دو موقعون پر اِس حکم کی خلاف ورزی کی گئی، اور یہ دیکھا گیا کہ عیسائیون کے مقتولین کی تعداد بہت ہی زیادہ تھی، یہ دیکھ کر اور زیادہ قدغن ہوئی اور یہ قرار پایا کہ مسلمانون کا محاصرہ کیا جائے اور سامان خورد و نوش اُن تک نہ پہونچنے پائے۔ یہ حکم دے کر بادشاہ سلامت اپنا خیمہ ایک محفوظ مقام مین لیگئے اور فوج کو مصیبت مین پھنسا گئے، امرا و عوام الناس کو یہ دیکھکر سخت مایوسی ہوئی کہ بادشاہ آیا تو اس غرض سے تھا کہ مسلمانون سے اسپین خالی کرا لیگا، اور ملک پر دین حق کا قبضہ کرا دیگا، مگر یہان آکر اُس نے اِس درجہ بزدلی دکھلائی،

عوام الناس کو یہ شکایت پیدا ہوئی کہ انھون نے اِسی اُمید پر اتنی قربانیان کین اور فوج کو کھلانے پلانے مین اپنے ذرائع خورد و نوش کو بالکل ضایع کر دیا، انھون نے صاف کہدیا کہ یہ لڑائی کفار کو تباہ کرنے کے لئے نہ تھی بلکہ خود اُن کو برباد کرنے کے لئے، یہ واقعہ ایسا نہ تھا کہ بادشاہ کی ہر دل عزیزی باقی رہجاتی، اس پر بھی بادشاہ کسی نہ کسی طرح تین چار برس تک فوج لئے پڑا رہا،

لیکن صرف لوٹ مار اور آتش زنی کے لئے مسلمان آتے اور سیکڑون عیسائیون کو قتل کر جاتے اور آمیزیک ہاتھ مل کر رہ جاتا، یہ انجام تھا اس کی صولت و شوکت اور تہور کا،

میدان جنگ مین تو بادشاہ کا امتحان ہو چکا، غریب اپنے خانگی معاملات مین بھی کچھ خوش قسمت نہ رہا، اس نے پرتگال کی ایک شاہزادی سے شادی کی تھی، اُس شاہزادی کے ساتھ اُس نے اچھا سلوک نہ کیا، وہ بھی اُس سے جلی کٹی ہی رہی، اس کا نتیجہ سخت بدنامی، اور روز روز کی لڑائی جھگڑا ہوا، اور وہی کیفیت پیدا ہو گئی جو قستالہ مین خانہ جنگی کی تھی، آمیزیک نے اگر کسی کو اپنا منظور نظر بنایا تو اُس مین بھی بدنامی اٹھائی، اصل یہ ہو کہ اسکی نظر انتخاب ہی اچھی نہ تھی، سب سے پہلا منظور نظر شاہی ایک شخص جوآن ڈی پیچاکو تھا، اس کو مارکوئیس آف ولینا بنایا گیا، اور اس کے علاوہ اور جاگیرین عطا کی گئین، مگر چند ہی روز کے بعد منظور نظر دل سے اتر گیا اور اس کی بجائے بیلٹران ڈی لا کیوا کی کمان چڑھی، مگر اس شخص کے تعلقات ملکہ سے ایسے تھے کہ اس سے بہت ہی جلد رنجش شروع ہو گئی، اتفاق سے میڈرڈ مین مردانہ کھیل اور فوجی کرتب دکھلانے کے واسطے اکھاڑا منعقد کیا گیا، قاعدہ تھا کہ اِن اکھاڑون مین جو لوگ کرتب دکھلانے کے واسطے اترتے تھے وہ اپنے محبوبون کے نام پر اترتے، ان کے حسن کی تعریفین کرتے اور یہ ظاہر کرتے تھے کہ ان کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو کر وہ انکی حمایت کرتے ہین، اِس موقع پر بادشاہ تمام ارکان شاہی اور انگلستان کا سفیر بھی وہان موجود تھا بیلٹران ڈی لا کیوا اکھاڑے مین اترا تو گویا ملکہ کی طرف سے بیلٹران جیت گیا، بادشاہ کو اسکی اتنی خوشی ہوئی کہ اُس نے اسکی یادگار مین ایک دیر قایم کیا، یہ واقعہ ایسا صعب تھا کہ اس کا گھر گھر چرچا ہوا اور بیلٹر اور بادشاہ کی اِس حرکت سے تمام رعایا برافروختہ ہو گئی،

آمیزیک کی حماقتین بدستور جاری تھین، امرا و ارکین سلطنت تو ان شاہی منظور نظر

لوگون کی حرکتون سے تخت ناخوش تھی اس پر غضب یہ کہ بادشاہ امرا اور جاگیرداروں کے پشتینی حقوق
کو پامال کر رہا تھا، ان پر ٹیکس لگا رہا تھا اور ان کے اختیارات کو چھین رہا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ امرا نے بادشاہ
کو تخت سے اتارنے کیلئے سازش کی، ان ہی دنون مین ملکہ کے لڑکی پیدا ہوئی، سب جانتے تھے کہ یہ
لڑکی بیلٹران کی ہے، چنانچہ اس کا نام بھی لابیلٹرانیجا رکھا گیا، یہان تک بھی غنیمت تھا، ستم یہ ہوا
کہ بادشاہ نے امراء کو یہ حکم دیا کہ اس لڑکی کو صحیح النسب تسلیم کرکے بحیثیت ولی عہد اس کی بیعت کرین،
یہ ایسی بے غیرتی تھی کہ جس کو امرا کسی طرح برداشت نہین کر سکتے تھے، یہ لوگ برگوس مین جمع ہوئے
بادشاہ کے حکم کی خلاف ورزی کا عہد کیا اور یہ قرار دیا کہ یہ لڑکی حرام کی ہے انھون نے بادشاہ کے
سوتیلے بھائی الفانسو کو ولی عہد سلطنت قرار دیا، اس کے علاوہ انھون نے بادشاہ کی زیادتیون کی
ایک فہرست بنائی اور یہ زور دیا کہ ان کو فوراً رفع کیا جائے، بیلٹران لاسیوا کو برطرف کیا جائے، آمیریک نے
سوا اس کے چارہ نہ دیکھا کہ یہ تمام باتین منظور کرے چنانچہ الفانسو کو حفاظت کے لئے ان امراء کے
سپرد کر دیا گیا، اور اس کے دعوی ولی عہدی کو اس شرط پر منظور کر لیا گیا کہ وہ (الفانسو) اس (بادشاہ)
کی نام نہاد لڑکی لابیلٹرانیجا سے شادی کرے، یہ وعدہ کیا گیا کہ عوام کی تکالیف رفع کرنے کیلئے ایک
کمیشن مقرر کیا جائیگا، دربیلٹران کو موقوف کر دیا جائیگا، جس آسانی کے ساتھ بادشاہ نے یہ وعدے
کر لئے اس کو امرا نے اس کی کمزوری پر محمول کیا اور انکی جرائتین بڑھ گئین، انھون نے اعلان کر دیا کہ
وہ آمیریک کی جگہ الفانسو کو تخت پر بٹھاتے ہین، چنانچہ ڈالاوالڈ مین الفانسو بادشاہ کیسٹائل ولیون
قرار دیدیا گیا، لوگون کے خیالات اور آمیریک کی ذلت کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہو کہ شہر اویلا کے
قریب ایک کھلے میدان مین، تاکہ سب لوگ دیکھ سکین، ایک سولی قائم کی گئی، اور اس کے قریب
ہی تخت شاہی بچھا کر اس پر آمیریک کا بت رکھا گیا، اس بت کو سیاہ کپڑے پہنائے گئے، سر پر تاج
شاہی رکھا گیا، ہاتھ مین عصائے شاہی دیا گیا اور سامنے ایک تلوار رکھدی گئی جب سب امرار جمع ہو گئے

تو ایک شخص اٹھا، اس نے ایک ایک کرکے بادشاہ کے قصور گنوائے، اور یہ اعلان کیا کہ آمیریک کے چار ستون
شاہی گرا دیئے گئے، سب سے پہلا منصب شاہی یہ سنتے ہی ٹولیڈو کا اسقف اعظم اٹھا اور اس نے بت کے
سر پر سے تاج شاہی اتار کر پھینک دیا، دوسرا ستون حقوق عدل و انصاف، یہ سنتے ہی کاونٹ آف پلی
سین سیا اٹھا، اور اس نے تلوار اٹھا کر پھینک دی، تیسرا ستون ملکی حکومت، ان الفاظ کو سن کر کاونٹ
آف بینے ونیٹ اٹھا، اور اس نے عصائے شاہی چھین کر پھینک دیا، چوتھا ستون تخت شاہی، یہ سننا
تھا کہ ڈان لوپیز اٹھا، اور اس نے گالیان دیتے ہوئے بت کو لات مار کر تخت سے نیچے پھینک دیا، پھر کیا
تھا، عوام الناس پل پڑے اور سب نے آمیریک کے بت کو لاتون پر رکھ لیا اور خوب گالیان دین، جب یہ ہو چکا
تو شاہزادہ الفانسو کو جسکی بہت چھوٹی عمر تھی، تخت پر بٹھا دیا، اور بیانگ دہل اسکی بادشاہی کا اعلان
کیا گیا، ملک مین دو بادشاہ ہو گئے، ایک بادشاہ کا فریق دوسرے بادشاہ سے دست و گریبان رہا، ملک
مین ایک آفت برپا رہی، ایک شخص دوسرے شخص کا، ایک شہر دوسرے شہر کا دشمن بنا، گلی گلی خون بہا، امرار نے
اپنی باہمی عداوت نکالی جو قوت مسلمانون کا خاتمہ کرنے والی تھی وہ یون صرف بے جا کے حساب مین آئی،
مسلمان دور سے بیٹھے ہوئے یہ تماشا دیکھا کئے، اور یہ امید لگائے رہے کہ شاید اسی سے ان کی صلاح و فلاح
کی کوئی صورت نکل آئے،

ایک دلچسپ واقعہ یہ پیش آیا کہ جناب پوپ نے ملک کی یہ حالت دیکھ کر اپنا ایک سفیر بھیجا کہ لڑائی
موقوف کرا دے، اس شخص نے آکر جو اپنا مطلب بتلایا تو لوگ اس کے سر ہو گئے، اس کو بہت سخت و سست
کہا اور صاف کہدیا کہ "جاکر پوپ سے کہہ دو کہ اس کو ملکی معاملات سے کوئی تعلق نہین، ہم جس بادشاہ کو چاہین
تخت سے اتار دین اور جس کو چاہین تخت پر بٹھا دین، ہم اپنے اس حق کو پوپ کے کہنے یا اس کی خاطر سے نہین
چھوڑین گے، نہ پوپ کو کوئی حق ہے کہ وہ اس معاملہ مین دست اندازی کرے،

آمیریک کی خوش قسمتی تھی کہ اسی اثنا مین الفانسو پندرہ برس کی عمر پا کر مر گیا اگرچہ شبہہ کیا گیا کہ

اس کو زہر دیا گیا، لیکن جو کچھ بھی ہو، آمیر یک کو چند روز کے لئے گونہ اطمینان حاصل ہوگیا، اس واقعہ سے ازابیلا برروی کار آتی ہے کیونکہ الفانسو کے بعد وہی اپنے بھائی کی وارث تخت شاہی رہ گئی تھی، اور باغی امرا کی وہی امیدگاہ تھی

یہان تک جو واقعات مین نے بیان کے ہین ممکن ہے کہ وہ غیر متعلق اور زائد سمجھے جائین مگر قطع نظر اس کے کہ یہ دلچسپ ہین، ان سے ملکی حالت معلوم ہوتی ہے، اور سلسلۂ کلام کے لئے ان کا بیان کیا جانا ضروری تھا،

گو یہ عرض کرنا بے موقع ہو، مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ الفانسو ۱۴۶۸ء مین مرا ہے، اس وقت مسلمانون کی امیدون پر اوس نہین پڑی تھی، وہ اب بھی اس کے امیدوار تھے کہ شاید وہ زندہ رہ سکین، وہ سمجھتے تھے کہ اگرچہ ان کو دق ہے، مگر دوسرے درجہ کی، افاقہ وصحت کی امید اب بھی تھی، مگر کس کو معلوم تھا کہ ابوعبداللہ اپنی نالائقی سے اپنے چچا الزغل سے دست وگریبان ہو کر موت کو اتنی جلد بلا لیگا اور چھبیس ہی برس کے بعد ۱۴۹۲ء مین مسلمانون کا اسپین سے خاتمہ ہوجائیگا،

غرض الفانسو کے مرنے سے اس کی حقیقی بہن قبالتہ المسمین ازابیلا برروی کار آتی ہے، اس وقت اسکی عمر گو سولہ برس ہی کی تھی، مگر وہ نہایت حزم واحتیاط اور اولوالعزمی وسیر چشمی سے کام لیتی رہی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ آگے چل کر وہ بہت بڑی ملکہ ہونے والی ہے، باوجود اس کے کہ آمیر یک اور الفانسو کے فریقون مین آپس مین جنگ ہورہی تھی مگر وہ برابر آمیر یک ہی کے یہان رہی، اس آزمائش مین پڑنے کی یہ وجہ نہ تھی کہ اس کو اپنے سوتیلے بھائی سے محبت تھی، بلکہ اصل وجہ یہ تھی کہ وہ کہین سر چھپانے کو جگہ چاہتی تھی اور ان عشاق سے بچنا چاہتی تھی جو اس کے حسن وجمال کی شہرت اور آیندہ کی امیدون پر تعداد کثیر مین اس پر ڈورے ڈال رہے تھے، چند روز کے بعد اس کو معلوم ہوا کہ وہ اپنے سوتیلے بھائی کے پاس آرام واطمینان سے نہین رہ سکتی، اس لئے وہ اپنے حقیقی بھائی الفانسو کے پاس منتقل ہو آئی،

ابھی اقبال سو رہا تھا، کیونکہ یہان آنے کے چند ہفتے بعد بھائی مر گیا، اس کا بہن کی طبیعت پر جو کچھ بھی اثر ہوا ہو، یہ ظاہر تھا کہ طالبون کا جمگھٹا اتنا بڑھ گیا کہ نوخیز شاہزادی کا ناکون دم آگیا، قاعدہ ہے کہ ع

جب پانچ بتون نے تو خدا یاد آیا، مجبور ہو کر وہ خانقاہ مین راہبہ بن کر داخل ہوگئی مگر دنیا کہان چھوڑتی تھی، ابھی ترک دنیا کئے ہوے تھوڑے ہی دن ہوئے تھے، طاعت الٰہی کا لطف بھی نہ آنے پایا تھا کہ تولیڈو کے اسقف اعظم نے بہ تکرار اپنے اور باغی امرا کی طرف سے اسٹوریاس کا تاج پیش کیا، ازابیلا نے نہایت دور اندیشی اور نیک دلی سے اس خطرناک ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا، اور نہایت فراخ حوصلگی سے یہ کہا کہ بجائے مجھ پر زور دینے کے بھائی اور امرا کی صلح کرا دینے کی کوشش کی جائے چونکہ شاہی خاندان مین اب کوئی ایسا آدمی باقی نہ رہا تھا کہ جس کے بہانہ سے عوام کے قلوب پر قبضہ کیا جاسکے، اس لئے باغی امرا نے سوا اس کے چارہ نہ دیکھا کہ آمیر یک سے ہنگامی صلح کرلین شرائط صلح یہ تھین کہ معافی عام کا اعلان کر دیا جائے، ملکہ کو طلاق دے کر اس کے میکے پرتگال مین بھیج دیا جائے، کیونکہ اسکی بدچلنی بلا کسی شک وشبہہ کے ثابت ہوچکی ہے، ازابیلا کو سلطنہائے کیسٹائل اور لیون کی آیندہ ملکہ بنا دینے کا اقرار کیا جائے، اور ایسٹریا مین فوراً اس کو جاگیرین دیدی جائین، امرا وارا کین سلطنت کو جمع کر کے اسکی منظوری لے لی جائے، آخری شرط یہ تھی کہ ازابیلا اپنی شادی بیاہ کے معاملہ مین بالکل آزاد رکھی جائے کہ وہ جس سے چاہے شادی کرے بشرطیکہ اس کا بھائی آمیر یک بھی اس پر راضی ہو، کس کو معلوم تھا کہ یہی آخری شرط مسلمانون کی بیخ کنی کی بنیاد ہوگی،

غرض ان شرائط پر وہ لڑائی ختم ہوئی جو ملک کو برباد کئے جارہی تھی، رعایا خوش بخت تھی کہ اسکو راحت ملی، بادشاہ خوش نصیب تھا کہ اس کا تخت وتاج بچا، مسلمان ہی بدبخت تھے کہ ان کی بربادی کا سامان پیدا ہوگیا،

اب بڑا مسئلہ یہ رہ گیا کہ ازابیلا کا عقد کس سے ہو، امرا کے لئے تو یہ معما بنا ہوا تھا، مگر خود ہونہار شاہزادی نے اپنی نیک دلی اور مستقل مزاجی سے اس عقدہ کو حل کرلیا، اس کے چاہنے والون مین

یورپ بھر کے قریب سارے ہی خاندان شاہی کے لوگ تھے منجملہ ان کے ایڈورڈ چہارم شاہ انگلستان اور لوئی یازدہم شاہ فرانس کا بھائی تھا، جو فرانس مین رہتا تھا ان ہی مین شاہزادہ فرڈی نینڈ تھا جو جوآن دوئم شاہ ایراگون کا بیٹا تھا، ازابیلا نے خود ہی ایک شخص کو ان دونون شاہزادون کو دیکھنے اور ان کے پرکھنے کیلئے بھیجا، اُس نے آکر کہا کہ شاہزادۂ انگلستان (یا فرانس) تو ایک زنخہ اور نامرد آدمی ہے اور اسکی صورت بھی اچھی نہین، ٹڈیان ایسی موٹی تو رہی ہین کہ اسکی طرف دیکھنے کو جی نہین چاہتا، آنکھون سے ہر وقت اس طرح پانی بہتا رہتا ہے کہ گھن آتی ہے، برخلاف اس کے شاہزادہ فرڈی نینڈ نہایت موزون آدمی ہے، وہ حسین جوان ہے، اور نہایت پرجوش آدمی ہے، فرڈی نینڈ دور کا ازابیلا کا رشتہ دار بھی ہوتا تھا، وہ اس پر نادیدہ عاشق ہوگئی، سچ یہ ہے خاندان شاہی مین اس سے بہتر اور بابرکت شادی شاید اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی ہوگی، فرڈی نینڈ کی عمر اس وقت اٹھارہ برس کی تھی، اس مین ایسی قابلیتین موجود تھین کہ وہ ازابیلا جیسی شاہزادی کا شوہر ہوسکے، چونکہ وہ آراگون کا وارث تاج و تخت تھا اس لئے یہ اُمید رکھنا بھی بیجا نہ تھی کہ اس شادی سے کیسٹائل اور آراگون مین اتفاق و یکجہتی کے علاوہ امن و امان پیدا ہوجائیگا، ان دونون ملکون کے عقیل و فہیم لوگ ایک مدت سے چاہ رہے تھے کہ کسی طرح ان دونون ممالک مین ایسا رشتہ ہوجائے، کئی مرتبہ اس کی کوشش ہوئی اور ہر مرتبہ ناکامی پر ختم ہوئی، اس کی وجہ ان دونون ملکون کی رقابت تھی جو زمانۂ بعید سے چلی آتی تھی، اس کے علاوہ دونون ملکون مین جو نمک حرام اور خود مطلب لوگ تھے، وہ ہمیشہ اس کوشش مین لگے رہے کہ یہ نہ ہونے پائے،

چاہئے تو یہ تھا کہ اس مرتبہ اس رشتہ مین کسی قسم کی دقت واقع نہ ہو، مگر دقتین پڑین اور سخت پڑین، باغی امرا مین مقتدر ترین مارکوئیس آف ولینا تھا، اس کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر یہ رشتہ ہوگیا تو نہ اس کی کوئی امید بر آئیگی نہ اس کو آئندہ ترقی مناصب نصیب ہوگی، کیونکہ اس شادی سے ازابیلا کو طاقتور حامی مل جائین گے، اس کی پشت پر بڑی فوج ہوگی، اور وہ کسی کے ہاتھ کی کٹ پتلی نہ بن سکیگی،

اس کے علاوہ ولینا کی جاگیر کا بڑا حصہ اراگون مین تھا، مارکوئیس کو یہ گوارا نہ تھا کہ وہ کسی سے دبکے رہے، اس کے نزدیک اگر یہ شادی ہوگئی تو وہ ازابیلا اور اس کے شوہر کا دست نگر ہوجائیگا، اسپین مین ایک اور خاندان مینڈوزا کا بہت معزز تھا، یہ شادی اس خاندان کے مقاصد کے بھی خلاف تھی، اس لئے اس نے بھی دراندازی کی، ان دو خاندانون کے علاوہ اور بہت سے خود مطلب لوگ بھی تھے، ان سب امرا نے پرتگال مین سازش شروع کی، آمیزیک اپنی نالائقی کی وجہ سے پس و پیش سوچنے والا نہ تھا، وہ بھی اس سازش مین شریک ہوگیا، خاص کر اس لئے کہ سازش کنندگان نے اس کو یہ امید دلائی کہ شاہزادی بیلٹرانیجا کی شادی ولیعہد پرتگال سے کرا دی جائیگی (واضح رہے کہ آمیزیک ابھی تک اس بنت الحرام کو اپنی صلبی بیٹی مانے چلا جاتا تھا) سبز باغ یہ دکھلایا گیا تھا کہ اگر بیلٹرانیجا کی شادی پرتگال کے ولیعہد سے ہوگئی تو اسپین کو ایک طاقتور حامی مل جائیگا، اور آراگون اور کیسٹائل کا خوف نہ رہے گا، لطف یہ ہوا کہ خود بادشاہ پرتگال نے جسکی بیوی مرچکی تھی، ازابیلا کی خواستگاری کی، باوجود اس کے کہ آمیزیک یہ عہد کرچکا تھا کہ وہ اپنی سوتیلی بہن کی شادی کے مسئلہ مین دخل نہ دیگا، مگر اس موقعہ پر اس نے بہت ہی بری طرح شاہ پرتگال کی حمایت کی، عوام الناس کو آمیزیک کی یہ حرکت بہت ہی ناگوار ہوئی، لوگون نے کچھ نظمین بنائین، جن مین شاہ پرتگال کی توہین تھی اور آراگون کی تعریف یہ نظمین گلی گلی گائی گئین اور ایک ہنگامہ برپا ہوگیا، ازابیلا کو کچھ تو یون مدد ملی اور کچھ اس کو اطمینان تھا کہ عوام کو اس سے ہمدردی ہے اور اسقف ٹولیڈو مع چند امرا اور بڑی فوج کے اس کے حامی ہین، اُس نے یہ فیصلہ کرلیا کہ جس قدر جلد ہوسکے فرڈی نینڈ سے شادی کرلی جائے اور اپنے بھائی آمیزیک کی پروا نہ کی جائے، چنانچہ ۷ جنوری سنہ ۱۴۶۹ء کو شرائط شادی پر طرفین کے دستخط ہوگئے، یہ شرائط یہ تھین کہ فرڈی نینڈ (جس کو اُس کے باپ نے بادشاہ سسلی کا خطاب دیا تھا) سختی کے ساتھ کیسٹائل کے قوانین کی پابندی کریگا، اُسی مملکت مین رہیگا، اور اپنی ملکہ کی اجازت کے بغیر وہان

سے نہ نکل سکے گا، اپنی ملکہ کو کیسٹائل کا مالک سمجھے گا، اور جو اعزاز ملکہ وہان اُس کو عطا فرمائیگی وہ ان
کو بطور ایک عامی کے منظور و قبول کریگا، سلطنت آراگون مین ملکہ کو اپنا سہیم و شریک تسلیم کریگا
وغیرہ، وغیرہ، ان شرائط ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک کیسٹائل اور آراگون مین گونہ رقابت چلی
آتی تھی، اس معاہدہ پر دستخط ہو جانے پر بھی ایک دفعہ تو یہ امید ہو گئی کہ یہ رشتہ ٹوٹ جائیگا آمیریک
کے ایما اور سازش سے مارکوئیس آف ولینا نے یہ ارادہ کیا کہ ازابیلا کو گرفتار کر کے کہین پہونچا دے
مگر قبل اس کے کہ یہ لوگ اس مین کامیاب ہون ازابیلا کے خیر خواہون کو اس سازش کی خبر
ہو گئی، اسقف ٹولیڈو نے بہت سے سوار جمع کر کے شاہزادی کو والاڈولڈ پہونچا دیا،

ادھر فرڈی نینڈ کو آمیریک کی سازش کی خبر ہوئی تو وہ اپنی دولھن کی تلاش مین نکلا، یہ
قصہ بجائے خود دلچسپ ہو، اس کو مختلف لوگون نے نظم کیا ہے اور اب تک ملک مین گایا جاتا ہے
یہ نظم نہایت دلچسپ ہو، اور حسب دستور مبالغہ سے مملوء، مین بخوف طوالت اُس کو یہان درج نہین
کرتا، مختصر یہ ہے کہ سرحد پر پہونچنے تک اس کو شاہ آمیریک مینڈوزا، اور ولینا کے سپاہیون سے
کئی مرتبہ مقابلہ کرنا اور اکثر مقامات پر بھیس بدلنا پڑا، پیسہ پاس نہ رہا، کئی کئی دن فاقہ کیا، کپڑون کے
چیتھڑے لگ گئے، ان تمام مصائب مین فرڈی نینڈ نے نہ بے صبری دکھلائی، نہ استقلال کو اپنے
ہاتھ سے دیا، بلکہ اس سے وہ افعال سرزد ہوے جو سوائے قصہ کہانیون کے اور جگہ نظر نہین آتے
غرض خدا خدا کر کے اس کو ازابیلا کے حمایتی ملے اور ان مصیبتون کا خاتمہ ہوا، یہ لوگ اس کو لیون
لیگئے اور دو چار روز کے آرام کے بعد اس کو اسکی مطلوبہ کے پاس پہونچا دیا، اس کے بعد جو کچھ ہوا
وہ بھی سننے کے قابل ہے، مگر چونکہ اس مین شاعری ہی شاعری ہے، اس لئے اُس کو مین قلم انداز
کرتا ہون، قصہ مختصر یہ ہے کہ ۱۹ اکتوبر ۱۴۶۹ء کو فرڈی نینڈ اور ازابیلا کی شادی ہو گئی، کیسٹائل اور آراگون
ایک ہو گئے، ایک طرف ملک مین امن و امان فرح و سرور کا سامان ہو گیا، دوسری طرف مسلمانونکی

تباہی کا پورا سامان ہو گیا، مین اس موقعہ پر ناظرین کی توجہ جنگ نامۂ نعمت خان عالی کی طرف مبذول
کراتا ہون جس مین اس نے ایک ہی حکمت الٰہی سے دو متضاد نتیجے اس خوبصورتی سے بیان کئے
ہین کہ اُس کے قلم کے سوا کسی دوسرے کو طاقت نہین،

شاہ آمیریک کو اس کی سوتیلی بہن نے اپنی شادی کر لینے کی اطلاع دیکر فرض خوردی سے سبکدوشی
حاصل کر لی، بھائی نے بھی نہایت تبختر کے لہجہ مین کہلا بھیجا کہ مین اپنے وزرا سے اس معاملہ مین مشورہ
کرون گا، چنانچہ مشورہ ہوا، وہان نہ وزرا کی خباثت سے یہ توقع ہو سکتی تھی کہ وہ نیک مشورہ دینگے
نہ اس نامعقول بادشاہ سے یہ امید تھی کہ کوئی معقول بات سوچیگا، ہوا یہ کہ آمیریک نے بنت الحرام
بلیٹرانیجا کو اپنا ولی عہد قرار دلوا کر ازابیلا کو اس قصور مین تاج و تخت سے محروم کرنا چاہا کہ اس نے
اس کے مرضی کے خلاف شادی کر لی ہے، پہلے تو اس کو سب نے منظور کر لیا، لیکن مارکوئیس آف ولینا نے
کچھ سوچ کر اس کی مخالفت کی، اور بادشاہ کو اس پر راضی کر لیا کہ بلیٹرانیجا کی شادی ڈیوک آف
گن سے کر دے، کیونکہ اس سے یہ اُمید تھی کہ فرانس اور اسپین کی دوستی مستحکم ہو کر استحکام سلطنت اسپین کا
سبب ہو جائیگی، چنانچہ دونون ملکون کے اصحاب رائے جمع ہوئے اور اکتوبر ۱۴۷۰ء مین یہ نسبت قرار پا گئی
لوئی یازدہم بادشاہ فرانس یہ نہ چاہتا تھا کہ اس کا کوئی تعلق اسپین سے ہو، اُس نے ڈیوک کو زہر دلوا دیا
یون مارکوئیس آف ولینا اور شاہ آمیریک کے خوابونکی تعبیر معکوس نکلی اور انکی توقعات پر پانی پھر گیا،

آمیریک کا وقت آخر بھی آ چکا تھا، جتنا بھی باقی تھا اُس کو اُس نے اپنی بہن کے خلاف
سازشین کرنے مین گزار دیا، وہ برابر اسی کوشش مین لگا رہا کہ کسی طرح اپنی شرارت اور جبر و جور سے
سوتیلی بہن کو تخت کی ہوا بھی نہ لگنے دے، کیسٹائل اپنی عام خرابیون کے باعث انتہائی قعر
مذلت مین پہونچ چکا تھا، آمیریک ۱۴۷۴ء مین مرا تو تمام رعایا نے بے حد خوشیان منائین اس کے
مرنے سے اُس خاندان شاہی کا خاتمہ ہو گیا جسکا وہ نام لیوا تھا اور جس نے سو برس تک کیسٹائل پر

حکومت کی تھی،

قبل اس کے کہ ازابیلا کے مابقا حالات پر توجہ کی جائے مناسب معلوم ہوتا ہو کہ فرڈی نینڈ کے حالات بیان کر دیئے جائین کیونکہ بغیر اس کے یہ افسانہ دردناک مکمل رہتا، فرڈی نینڈ اول کیسٹائل کا شاہزادہ تھا، جو ۱۴۱۲ء مین آراگون کا بادشاہ منتخب ہوا، اس کا زمانۂ حکومت بہت کم رہا اور جتنا بھی تھا وہ نہایت پریشان کن تھا، کیونکہ کاؤنٹ آف ارگیلی کیسٹائل پر قبضہ پانے کیلئے اس سے برابر لڑتا رہا، اس کا جانشین الفانسو پنجم بہت لائق شخص تھا اور نہایت بلند نظر، اس نے اپنی قابلیت سے آراگون کی حیثیت اور اہمیت کو بہت بڑھا دیا، یہ شخص جب تک زندہ رہا اٹلی سے لڑتا رہا اور اس کے اکثر مقبوضات کو آراگون سے ضم کر لیا، جب یہ ۱۴۵۸ء مین مرا ہے تو اپنے اسپین کے مقبوضات مع سسلی سارڈینیا اور جزائر بیلیارک اپنے بھائی جوان کو، جو اس وقت بادشاہ نوار کو تھا دے مرا، اور نیپلس اپنے ولد الحرام فرڈی نینڈ کو دے گیا، اس ولد الحرام کو جس طرح اُس شخص نے پوپ کو تہوتیر دے دے کر فرزند جائز قرار دلوایا ہے وہ بھی ایک دلچسپ قصہ ہے مگر چونکہ ہم سے کوئی تعلق نہین رکھتا اس لئے قلم انداز کیا جاتا ہو،

جوآن دوئم کا بڑا کارنامہ یہ ہو کہ اس نے آراگون اور کیسٹائل کو متحد کر دیا، یہ شخص بہت ہی بیچین طبیعت کا آدمی تھا، اسکی زندگی پر نظر ڈالی جائے تو وہ کہین اپنے سگے بیٹے سے لڑتا نظر آتا ہو، کبھی اپنی رعایا سے مصروف جنگ دکھلائی دیتا ہے اور کبھی دشمنون سے برسر پیکار، اسی شخص کا بیٹا فرڈی نینڈ تھا، ۱۴۶۸ء مین آراگون سسلی اور سارڈینیا کا بادشاہ اور ازابیلا ملکہ کیسٹائل اور لیون کا شوہر ہوا، اور دونون نے مل کر عباد اللہ پر عبدۃ الطاغوت کو مسلط کر دیا،

انجمن اقوام

(۱)

از

جناب ارشد علی صاحب، نظام کالج، حیدرآباد دکن

گو زمانۂ قدیم مین بھی ایک موہوم سی بین الاقوامیت کا ایک دھندلا سا تخیل نظر آتا ہے، جس سے یہ موجودہ نمایان سیاسی ادراک اب وجود مین آیا ہے، لیکن درحقیقت انجمن اقوام زمانۂ حال کے جدید تخیل کا نتیجہ ہے، عہد موجودہ مین نہ صرف عمال اور رفرود نیکی اخوتِ انسانی یا اجتماع بین الاقوام کا خیال ذہنون مین سمایا ہوا ہے، بلکہ تمام دنیا کی قومین اپنے امور خارجیہ کے نظم نسق کو خود براہ راست انجام دینے کے لئے کوشان نظر آتی ہین، جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ دنیا کی قومون کے بین الاقوامی تعلقات اور روابط روز افزون ترقی پر ہین، اور ان تعلقات اور روابط کے استحکام کے لیے سب سے لازمی شے امن کا قیام قرار پایا ہے،

اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ امن کے قیام کے لیے وہ کونسا خیال ہے جس نے طاقتون کو متحرک کر کے انجمن اقوام کی نبیاد ڈالی ہے۔ ہر مملکت مین بہت سے ایسے افراد ہین جنھون نے سیاست خارجیہ مین قدم رکھنے کی ضرورت محسوس کی، اگر ایسے افراد نسبتہً کم ملین گے جو انجمنِ اقوام کے متخیلہ (آئیڈیا) کے حامی ہین، بعضون کا خیال ہے کہ اپنی ہی مملکت کو ایسا مستحکم بنائین کہ وہ دشمنون کا آسانی سے مقابلہ کر سکے، دوسرون کا خیال ہے کہ سیاسی تدبیر (Mechanism) کی مصلحت آمیزی اسوقت تک بالکل بیسود ثابت ہو گی جب تک لوگون کے خیالات علم کی عام اشاعت کے اثر سے بالکل بدل نہ جائین یا مذہب یا تجارت کے اتحاد اغراض کے باعث اُنمین بین فرق نہ آجائے، مگر سبھون نے یہ تسلیم کر لیا ہو کہ مقتدر ممالک کی موجودہ حالت ایسی ہین جو تمام دیگر ملکون کی

خواہشون کی مطابقت کر سکے۔

اب تو ہمکو یہ دیکھنا چاہیے کہ متقدر ممالک کا طرز عمل کیون تمام دوسرے ملکون کی خواہشون کی مطابقت نہین کرتا اسکا سبب یہ ہے، کہ کسی نہ کسی طریقہ سے وہ آمادہ جنگ رہتے ہین یا اپنی ہی مملکت مین سلاح بندی اس معیار پر کرتے ہین کہ جنگ کی صورت مین وہ حریف کو مغلوب کر سکین جنگ کی یہ طیاری حکم العوام (Democracy) کے بالکل خلاف ہے، اور جب یہ ثابت کر دیا جائے کہ جنگی طیاری حکم العوام کے متخیلہ کے خلاف ہے تو بین الاقوامیت نہین رہتی، اور جب بین الاقوامیت نہ رہی تو انجمن اقوام کا وجود بھی ناممکن تھا۔ اس پہلو سے حکم العوام اور انجمن اقوام کے متخیلے ایک دوسرے سے بہت ملتے جلتے ہین، اسلیے کہ ان دونون کا مدار دوسری متضاد تحریکون کے اصول کے برخلاف استدلال اور آمادگی پر مبنی ہے[1]

ہمکو معلوم ہے کہ جنگ کس طرح شخصی ذمہ داری اور انفرادی آزادی کو غصب کرتی ہے، اور اسکی سیاسی خرابیان کیا کیا ہین۔ اول تو جنگ ایک معاشی بربادی ہے اگر جنگون نے مصر، شام، یونان، روما اور یورپ کے دیگر ممالک کی دولت کو برباد نہ کیا ہوتا تو، ہم انسانون کی اقتصادی حالت آج کہین بہتر ہوتی، وہ انسانی کوششون کو جنکا تعلق خیر و فلاح سے تھا . برباد کن، خونریز اور سفاکانہ اعمال کی طرف متوجہ کر دیتی ہے، جب نئی نئی جنگ چھڑتی ہے تو ملک کا زیادہ حصہ

[1] ملاحظہ ہو پروفیسر جلبرٹ مرے (Prof. Gilbert Murray) کی "انجمن اقوام و متخیلہ حکم العوام"۔ کانٹ کا استدلال بھی "امن ابدی" (Peace Perpetual) ملتی بھی ہے" اگرچہ اس نے جمہور و حکم العوام مین تفریق کی ہے اور وہ موخر الذکر کے بالکل خلاف ہے

آمدنی اور مفید اشیا کے پیدا کرنے کی بجائے مقاومت یا تباہکن آلات کے بنانے مین مصروف ہو جاتا ہے۔ اسکا رد عمل سیاسی زندگی پر ہوتا ہے۔

ثانیاً جنگ حیات اور خیال کی بربادی کے درپے ہو جاتی ہے۔

ثالثاً ہر حکومت کا وجود اسلیے ضروری سمجھا جاتا ہے کہ رعایا کی فلاح و بہبودی کی سعی کرتی رہے، ہر مملکت عمرانی اصلاح کے لیے کوشش کرتی ہے، مگر عہد جدید کے ممالک مین اتنی متقاربت اور شدت کی پیوستگی ہے کہ کوئی مملکت فی حد ذاتہ اپنی رعایا کے مقاصد اسوقت تک پورے نہین کر سکتی جب تک دوسرے ممالک اسکا ہاتھ نہ بٹائین۔ مثلاً امراض اور جرائم کو دیکھو کہ وہ ایک کی سرحد سے دوسرے کی سرحد مین پار ہو جاتے ہین، جنکے انسداد کے لیے حدود کے ہر دو جانبون کا مشترکہ عمل ضروری ہے۔ معاشی وسائل اسوقت تک ترقی نہین کر سکتے جب تک کہ خارجی پیداوار اور غیر ممالک کو اشیا کی برآمد جاری نہ رکھی جائے۔ لیکن جنگ کی طیاری غیر مفید تعلقات اور مشترکہ عمل کے راستہ مین حائل ہو جاتی ہے، اور اسلیے اُن مقاصد کے خلاف ہے جنکے لیے حکومت کا وجود ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہذا جو رکاوٹ جنگ کی وجہ سے امراض اور جرائم کے انسداد مین ہوئی اُس سے ضرور ہے کہ مملکت کو نقصان پہونچے، اور جنگ کے اختتام پر ہر مملکت کا فرض ہے کہ متحدہ کوشش کر کے ان جرائم اور امراض کو دفعہ کرنے کی کوشش کرے۔ پھر تمام ممالک کی رعایا کے لیے ضروری ہے کہ ان مین آپسمین رسد اور نقل و حمل (بار برداری) کے متعلق باہمی اتفاق ہو، بس اس نئی دنیا کو اس طرح ترتیب دینا چاہئے کہ جب کبھی تعلقات باہم متضاد اور مخالف ہون انکے سلجھانے کی کوشش کسی سیاسی یا عدلی تنظیم (organization) کے ذریعہ سے کیجائے،

یہ انجمن اقوام کے نظام العمل مین داخل ہے کہ جنگ کی بیخ کنی کی جائے، اگرچہ ابھی تک

کوئی نظام العمل کسی ایسی مجلس کا، جو آیندہ قائم ہو سکتی ہے، مرتب نہین کیا گیا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایسی انجمن کا تخیلہ ابھی تک عملاً تسلیم نہین کیا گیا ہے، کیونکہ جو لوگ آج اسکی حامی بھرتے ہین، وہ وہی ہین، اور انجمن اقوام کا موجودہ خاکہ اُنھی کا بنایا ہوا ہے، جنھون نے امن کو جنگ پر ترجیح دی ہے۔

انجمن اقوام کے تخیل کی گذشتہ اشکال بہرحال اس تخیلہ کی تاریخ تین نمایان زمانون پر مشتمل ہے۔ پہلے عہد مین تو یہ تخیلہ صرف چند عقلاء کا حلقہ بگوش بنا رہا۔ دوسرے دور مین یہ تخیلہ مدبرین ممالک کا دامن گیر رہا۔ اور اب ایک معمولی مگر متحرک شکل مین ذی شعور مردون اور عورتون کے دلون مین سمایا ہوا ہے۔ پہلا زمانہ تو متوسطین اور نشاۃ جدیدہ کے عقلاء کا ہے۔ دوسرا انیسوین صدی پر محیط ہے۔ اور اب ہمکو تیسرے زمانہ مین قدم رکھے تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے۔

اوین صدی کے محشر خیز زمانہ سے تھوڑے ہی دنون پہلے جب کہ انگلستان پر ولیم فاتح کا علم لہرا رہا تھا۔ جنگ نے فرانس اور برائن کی اُس نوخیز تہذیب کو برباد کر دیا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمانہ جاہلیت کا پھر آغاز ہونے والا ہے۔ جنگ کے ساتھ ساتھ فصلون کی تباہی بھی آئی جسکا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ قحط اور امراض متعدی پھیل گئے۔ اور حالت ایسی بدتر ہو گئی کہ آدمیون کا گوشت کھایا جانے لگا، ایسے وقت مین بہت سی "امن، امن" کی صدائین بلند ہوئین۔ اور مختلف تحریکات کی سلسلہ جنبانی شروع ہو گئی جسمین ایک "انجمن برادران امن" بھی تھی۔ ۱۱۸۲ء مین ایک بڑھئی نے جنگل مین حضرت مریم کو یہ کہتے ہوئے دیکھا کہ وہ ایک ایسی مجلس کا انعقاد کرے جس کے ارکین جنگ کے خلاف متفق ہو کر یہ دعا مانگین "اے خدا کے بیٹے جو خود دنیا کے گناہون کا کفارہ ہوا، تو ہمکو امن نصیب کر" چنانچہ اس بڑھئی نے برادران امن (Brotherers of Race) کی ایک مجلس مرتب کی یہ انجمن کچھ دنون سرگرمی دکھلا کر فنا ہو گئی اور اب تاریخ مین اسکا کہین بھی پتہ نہین ملتا۔

اسی قسم کی تحریکات ازمنہ متوسطہ کے تخیلہ اتحاد مین بھی پائی جاتی ہین، ایک طریقہ سے یہی تخیل اتحاد انجمن اقوام کا سنگ بنیاد بنتا ہے۔ عہد وسطیٰ کے خیالات نے یہ شکل اختیار کی تھی کہ ایک مستحکم مرکزی طاقت ہی قیام امن کے لیے لازمی شے ہے، گذشتہ زمانہ مین بھی انجمن اقوام کے تخیل کا پتہ ملتا ہے۔ انسداد جنگ کے لیے ایک انجمن ممالک کے خیال کو پیرے ڈوبوا (Pierre Dubios) نے چودھوین صدی مین ظاہر کیا تھا۔ انھی مسرور بر (Utopia) مین جسکا نام "استرداد زمین مقدسہ" (Recovery of the Holy Land) ہے اسنے ایک بین الاقوامی ثالثی کو تجویز کرتے ہوئے ایک بین الاقوامی عدالت کے قیام کی تائید کی تھی اُس نے اس امر پر زور دیا تھا کہ جب معمولی جنگ مسدود ہو سکتی ہے تو کوئی بڑی جنگ ہرگز نہین ہو سکتی اور بین الاقوامی فیصلون کے جواز و عمل کے لئے ایک معاشی طبعی مقاطعہ کی تجویز بھی کی تھی یہ نظریہ کہ شاہان یورپ ایک ہی خاندان کے افراد ہین ازمنہ وسطی کے بعد قائم نہ رہ سکا۔ اور اسی وجہ سے اس زمانہ کے بعد کے سیاست دانون نے خیال کیا کہ یورپ مختلف حاکم طاقتون کا مجموعہ ہے۔ نشاۃ جدیدہ (Recovery Rnance) نے اون تشددات کے خلاف جو ہر مملکت کو ایک حاکم ماننے کے انکار کا ضروری نتیجہ تھا صداے احتجاج بلند کی اور مقتدر ممالک مین انجمن اقوام یا مجمع الوفاقیہ (Federation) کا خیال اتحاد یورپ کے وسطی متخیلہ کی جانشینی کرتا رہا۔

مکتوبات ارسمس (Erasmus) مین جنگ کے متعلق ایک عقلی مخالفت کی بو پائی جاتی ہے، اور ایک انجمن امن (League of peace) کے انعقاد کی تجاویز کا پتہ بھی ملتا ہے۔ ارسمس کہتا ہے کہ ولیم شمنور نے (William Chievres) اس تحریک کا بانی ہو، اس نے بھی یہی تجویز کی تھی کہ بادشاہون کا ایک عہد یہ

منعقد کیا جائے، اور انجمن فیصلۂ ثالثی کو برابر عمل مین لاتی رہے" اس تجویز کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا اسلیے ارسمس (Erasmus) نے "شکوہ امن" (Complaint of peace) لکھا۔ اس کتاب مین کوئی مستقل نظام عمل نہین پھر بھی، جیساکہ ارسمس کا خیال ہے ان لوگونکے خیالات کے خلاف، جنھون نے سمر بین الاقوامیت کو ناممکن ٹھرایا ہے ایک استدعا، موجود ہے۔ ایمرک کروسے (Emeric Cruce) نے ۱۶۲۳ء مین ایک کتاب نیو سینیاس (New Cyneas) کے نام سے طبع کرائی جسمین ایک انجمن ممالک اور ثالثی پر زور دیا گیا تھا، اور جنگ کے خلاف جو معاشی دلائل پیش کیے گئے تھے وہ اپنی نوعیت مین بالکل صحیح تھے سلی (Sully) کے تذکرے (Memoirs) سے جو ۱۶۳۴ء مین لکھا گیا تھا ہنری چہارم شاہ فرانس کی ایک "تجویز اعظم" کا پتہ چلتا ہے وہ یہ ہے کہ اکثر ممالک مجمع الوفاقیہ برائے قیام امن کے لیے کوشش کرتے ہین بلکہ انگلستان کی ملکۂ الزبتھ نے بھی اسکی تائید کی اسکی اہم دفعات یہ ہین:

الف یورپ کے تین مذہبون مین مصالحت کیجائے۔

ب ممالک عیسوی کے متوارث حکام کے اقتدارات کا توازن قائم رکھا جائے۔

ج یورپ کے پندرہ ممالک کی ایک انجمن قائم کیا ہے جو قانون اور نظم ونسق کے "معدل مقتدر" ہو اور اس کو اس حکومت سے جو اس عہد کو توڑے جنگ کا حق حاصل ہوگا۔

ولیم پن (William penn) نے ۱۶۹۳ء مین ایک مضمون "برائے قیام امن یورپ، حال و مستقبل" (Essay towards the Present and Future Peace of Europe) لکھا تھا، جس مین اس نے ایک عدالت ثالثی کی تجویز کی، اور ۱۷۱۰ء مین جان بلرس (John Bellers) نے ایک رسالہ بعنوان "ایک مملکت یورپ کے لیے چند وجوہات .... اور ایک سالانہ جمعیۃ دولتی کے ..... شاہان اور ممالک کے حقوق اور حدود کے فیصلہ کے لیے اور مستقبل ممالک قیام کی تجویز" (Some reasons for a European state...and annual congres..... to settle disputes about the bounds & rights of Princes & States here after) شائع کیا۔ مگر یہ تمام تدابیر بے سود ثابت ہوئین۔ سترھوین صدی مین اسی خیال کی ترقی یافتہ کتاب موسوم بہ "قانون اقوام" تھی اور جواب "قانون بین الاقوام" ہے گراشیس (Gratius) نے چند ایسے اصول مروج کرنے کی کوشش کی جو مملکت کے امور خارجہ پر محیط ہون۔ پفنڈارف (Puffendrof) نے ان اصول کو ترتیب دیا اور دیاٹل (Vatel) نے تدبّر اور مصالحت پر بحث کی، مگر شارعین قیام امن کی کوشش کی بہ نسبت طریقۂ جنگ کی زیادہ فکر کرتے رہے، اور انھون نے بین الاقوامی شارعین کی توجہ جنگ کی بربریت وحشت کی طرف منعطف کر دی جو یورپ کے لیے اسقدر مضرت رسان ثابت ہوئی

تاریخی نقطۂ نظر سے اس موضوع پر سب سے اہم ترین تصنیف آبے ڈی سینٹ پیئر (Abbe de St. Pierre) کا مجوزہ (Project) ہے جو اپنے مواد کی بہ نسبت ایک ذریعہ ہونے کی وجہ سے زیادہ اہم ہے۔ وہ اپنی تمہید مین شاہ ہنری چہارم کا حوالہ دیتا ہے۔ اسنے اسپر خوب بحث کی ہے۔ اور امن کے قیام کے لیے اُنیس ۱۹ ممالک کے عہدیہ کی تجویز بھی کی ہے، اسکے رو سے ایک موتمر یورپ ہونا چاہیے تھا جسمین فرانس کو فضلیت ہو۔ تقریباً ۱۷۵۶ء مین روسو (Rousseau) "امن ابدی" (Paix Perpetuelle) کی ادارت کر رہا تھا، وہ اپنے "اقتباس" (Extrait) مین لکھتا ہے

کر بین المما لکی تعلقات کی خرابی کی عقدہ کشائی کسی ایک حکومت وفاقیہ (Federal
Government) کے قیام ہی سے ہو سکتی۔ اس نے اسوقت کی حالت کو منکشف کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ
حالت ایک مستقل جنگ ہے ؛ اور عہدنامہ صلح بھی ایک نقاب پوش جنگ ہے۔ ایک نیا
اصول انعقادِ عہدیہ ہی سے قائم ہو سکتا ہے۔ صلح صرف قیام عہدیہ سے عارضی طور پر
وجود مین آسکتی ہے، جو اپنے اختیارات ایک دیوان (Council) کو تفویض
کر کے کسی عہد شکن مملکت کو یورپ کے مقاطعہ سے سرنگون کر دیے ہر ملک کی فوجی قوت
کی تعداد کی منظوری کا بھی اسی عہدیہ کو اختیار ہونا چاہیے، روسو نے اپنے دوسرے مضمون
مین اس تجویز وفاقیہ کے ان شرائط کی، جسپر پہلے بحث نہین کی گئی تھی، خوب دھجیان
اڑائی ہین۔ مگر اسکا مواد اور طرز بیان بالکل معمولی تھا اور سیاسی ادراک اور بین الاقوامی
زندگی کے گورکھ دھندے کو اس نے بالکل نظر انداز کر دیا اور خود روسو بھی ان خیالات مین
کوئی اضافہ نہ کر سکا؛

کانٹ (Kant) کی "امن ابدی"، حقیقی معنون مین ایک تجویز تھی جسمین
مقتدر ممالک کی موجودہ حالت کا لحاظ کیا گیا تھا، اور اسکا اصلی مقصد ایک انجمنِ ممالک ہے
اسکا استدلال یہ ہے کہ وہ تمام امور جو جنگ کو مشتعل کرین سب سے پہلے منقضب کر دیئے
جائین، اسلیے یہ بھی بسا ضروری ہے کہ عہدنامۂ صلح کی آڑ مین جنگ کی طیاری ہرگز نہ کیجائے
ممالک بصورت جائداد منقولہ دست بدست بدلا نہ کرین، نہ ان امور کے لیے قومی قرضہ لیا جائے
نہ ایک ملک دوسرے ملک کے اندرونی معاملات مین مداخلت بیجا کرے، اور مناقشات کی
صورتین بالکل محدود کر دی جائین۔ ایسی صورت مین ہم انجمن کو ہر ایک مملکت مین جمہوری
دستوریت کے اصول پر دیکھ سکتے ہین اور اسکا ضروری نتیجہ یہی ہوگا کہ آزاد ممالک کا ایک

مجمع الوفاقیہ وجود مین آجائیگا۔ بیشک جب ہم ہابس (Hobbes) اور کانٹ (Kant) کا مقابلہ کرین تو کانٹ کو صداقت پر پائین گے اور ہابس کو غلطی پر، مگر ہابس کا استدلال
اور تبصرہ کانٹ سے کہین اعلیٰ اور ارفع ہے۔ تاہم کانٹ کی تصنیف انجمن کے بوسیدہ تخیل
مین ایک نئی روح پھونکتی ہے۔

جب بین الاقوامی تنظیم کا خیال یورپ کے سربر آوردہ مدبرین کا آماجگاہ بنجاتا
ہے تو یہ تخیل، ترقی کے دوسرے زینہ پر قدم رکھتا ہے؛ اس عہد مین دو قسم کے تنظیمی عمل
نمایان ہوتے ہین۔ ایک طرف تو "اتحاد مقدسہ" (The Holly Alliance) اور
"موافقت یورپ" (Concert of Europe) جیسی تنظیمات ہین اور دوسری طرف
وہ عمرانی تنظیم جسکی بین الاقوامی مجلس بوستہ (International Postal union)
ایک شکل ہے اب فضائے تدبر مین جنگی اتحاد، قدیم تخیل اتحاد مقدسہ سے ذرا بدل جاتا ہے۔
یہ اتحاد مہذب ممالک مین قیام امن کے لیے ضروری سمجھا جاتا تھا۔ مگر یہ شکل بدیہی ہے کہ
یہ اتحاد مقررہ، جیسا کہ بعضون کا خیال ہے، قدیم طرز حکومت کے خلاف وجود مین لایا گیا
تھا، اصولاً ممالک یورپ سیاسیات بلقان مین متحدہ عمل کے لیے آمادہ تھے، مگر تدبری رقابت
اور جبلی نااتفاقیون نے اس اتحاد کو بالکل بے کار ثابت کر دیا۔

سنہ ۱۹۱۴ء کے قبل بین الاقوامی اصول پر عمرانی تنظیم بنیل[2] بین الاقوامی مجالس[1] کو عالم
وجود مین لاچکی تھی اسمین مجلس بوستہ (Postal union) اور انجمن حفظان صحت (Union of Hygeene) جو قرنطینے[2] اور متعدی امراض کے لیے مقرر کی گئی تھی اہم ہین

[1] ملاحظہ ہو "اخلاق اقوام" مصنفہ ڈی لزلی برنز (De Leslie Burns)

[2] ملاحظہ ہو رنیش (Renisch) کی "عمومی بین الاقوامی مجمعیات"

اس سے نہ صرف رضائے عامہ کا نتیجہ نکالا جاسکتا ہے، بلکہ یہ بھی صاف نظر آتا ہے کہ موجودہ طرز معاشرت، مختلف ممالک کو باہمی اشتراک واتحاد عمل کے لیے مجبور کر رہا ہے۔

اب ہیگ (Hague) کے موتمر کا ذکر آتا ہے ۱۸۹۹ء مین حکومت نے ایک ایسے موتمر کی تجویز پیش کی تھی جس سے طیاری جنگ کا خدشہ دور ہو جائے۔ ہیگ کی مجلس منعقد ہوئی اسمین چھبیس ۲۶ ممالک کے نمائندے شریک ہوئے تھے ۱۹۰۷ء مین دوسری موتمر کا انعقاد ہوا جسمین چوالیس ۴۴ ممالک شریک تھے۔ اس منعقدہ (Convention) مین فریق ثالث کی رو سے اختتام جنگ کا مسئلہ طے ہو گیا مقدمون کے لیے بین الاقوامی تحقیقات (Commission) بھی مقرر ہو گئے۔ اور مستقل عدالت ثالثی کے، جو ہیگ کے موتمر اول کی رو سے منعقد ہوئی تھی، اختیارات کی مزید تصدیق کی گئی۔ اس عدالت نے پندرہ ۱۵ مقدمون کا فیصلہ کیا[1]

انجمن اقوام کی موجودہ حالت

حیات سیاسی اور تخیل، انسان کے دوسرے رجحانات سے علحدہ تھی مگر حیات سیاست کے کسی شعبہ مین واقعات ایسے جیسے کہ موجودہ زمانہ کے بین الاقوامی تعلقات مین بدلے ہین نہین بدلے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ ازمنۂ وسطی کے لوگ بھی انجمن کے متعلق ایسے ہی خیالات رکھتے تھے جیسے کہ ہم مین ہین، اور یہ بھی صحیح ہے کہ انیسوین ۱۹ صدی کے پہلے بھی مصالحت اور ثالثی کی ایسی ہی تائید کی جاتی تھی جیسی کہ اب ہو رہی ہے۔ مگر یہ قدیم تخیلات اب ایسے عالم مین پائے جاتے ہین جو مشینون کی ایجادون اور علم کی اشاعت کیوجہ بالکل نیا معلوم ہوتا ہے۔ باربرداری اور آمد و رفت اب گھوڑے، سڑکون یا بادبانی جہازون سے نہین ہوتی بلکہ ریل، دخانی جہاز، موٹر اور طیارون سے ہو رہی ہے۔ راہ و رسم اور اختلاط اب

[1] دوسرے موتمر صلح کی اختتامی دفعہ

تمام لوگون مین زیادہ ہو گیا ہے۔ اب ممالک کے حدود تجارت کے راستہ مین حائل نہین ہو سکتے۔ اور وہ فاصلے جو ہمارے اسلاف دور دراز ہونے کیوجہ طے نہین کر سکتے تھے اب گھنٹون مین طے کیے جا سکتے ہین۔ ٹیلیفون، تار، اور وائرلیس کے ذریعہ تبادلۂ خیالات و اظہار رائے کیا جاتا ہے۔ اور اغلب ہے کہ تصاویر متحرکہ اس احساس اجنبیت، کو جس سے آپس مین مغائرت پھیلی ہوئی ہے لوگون سے دور کرین،

سیاسی فضا مین بھی تبدیلیان ہوئین ہین۔ اگرچہ ممالک کی تعداد مین کمی واقع ہو گئی ہے مگر اس کے ساتھ ہی اون کے حدود بڑھ گئے ہین۔ انکے طریقہ حکومت اور چند محکمے مثلاً فوجی ملازمت منتظم کر دیے گئے ہین۔ ایک اعلیٰ تدبیری اور قونصلی نظام، جو دنیا پر محیط ہے معرض وجود مین آیا ہے۔ بین الاقوامی قوانین، غیر ملکون مین ذاتی اصل اندازی اور درآمد و برآمد کی زیادتی نے حکومتون کے باہمی تعلقات کو بڑھا دیا ہے۔ سیاسی ترقی کے تاریخ مین یہ سب عناصر نئے ہین۔

ایسی دنیا مین انجمن اقوام کے متخیلہ کو عملی جامہ پہنایا جا سکتا ہے، مگر اسکے لیے محدود وقتیہ اداروں کے ایجاب کی ضرورت ہو گی۔ ایسی انجمن مین کوئی مملکت ایک مکمل سیاسی تنظیم تصور نہین کی جا سکتی۔ نہ اس مین کوئی تنہا بین الاقوامی حیثیت رکھے گی اور نہ مملکت مین اختیارات محدود کئے جائین گے، الا آنکہ انجمن کے ملحقہ ممالک اپنے اختیارات کسی بین الممالکی عضو کے سپرد کر دین۔ اس کی غرض و غایت یہی ہو گی کہ جنگ روکی جائے اور پرامن طریقہ سے گتھیان سلجھ جائین۔ قابل انصاف مقدمے جو صلحنامون کی ترجمانی یا بین الاقوامی قانون کے مصدقہ اصول کے نتائج ہون ایک عدالت ثالثی کے سپرد کر دیے جائین گے، اور وہ مقدمے جو ناقابل انصاف ہون یعنی جو سیاسی

تنازعات کیوجہ سے وجود مین آئے ہون تو ایک دیوان یا موتمر مفاہمت[1] (Council or Conf. of Conciliation) سے رجوع کیے جائین گے مگر اس قسم کا جبری انصاف بھی ممالک کے اقتدار کو محدود کیے بغیر نہین رہ سکتا۔

بین الاقوامی تنظیم کا مزید ثبوت اس امر سے پایا جاتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۴ء مین ایک سو بائیس ۱۲۲ ثالثی صلح نامے مرتب ہوئے۔ اسی سال ایک نئی قسم کی صلح وجود مین آئی، جس سے متعدد فریقون مین مصالحت بین الاقوامی تحویلیات کے ذریعہ ہوئی۔ ممالک متحدہ امریکہ نے ایسے تیس[2] صلحنامے مختلف ممالک مثلاً چلی، جبطین، برازل وغیرہ سے لکھوائے۔ رضامندی و رائے عامہ سے ایک تحویلیہ مقرر کی گئی جسمین مقدمات کی کاروائی کیجائیگی۔ اور اس تحویلیہ کو جسکے سپرد برطانیہ کا صلحنامہ کیا گیا تھا حق افتتاحیہ حاصل تھا جسکے روسے متعدد حکومتون کو یہ تجویز پیش کیجا سکتی تھی کہ مقدمات مین تفتیش کی جائے[3]۔ نظریہ کی ترقی یافتہ شکل اسوقت نمودار ہوتی ہے جب مجلس دنیائے امریکہ وجود مین آتی ہے، یہ شمالی اور جنوبی امریکہ کے تعلقات عامہ کو ایک معدقہ طرز روش پر لانے کے لیے مقرر کی گئی ہے۔

ایک اور نئی قسم کی بین الاقوامی تنظیم جنگ عظیم سے نمودار ہوئی ہے۔ تمام متخاصمہ ممالک اور چند غیر جانبدار ممالک اپنے ہی حدود مین اشیائے خوردونوش اور صنعت و حرفت کیلیے

[1] انجمن کے اس عدالتی پہلو پر بریلسفورڈ (Brailsford) نے اپنی "انجمن اقوام" مین خوب روشنی ڈالی ہے۔

[2] یہ وہی پہلو ہے جسکو ان انجمنون نے ترقی دینے کی کوشش کی ہے جو اس تخیل کی ہمیشہ حمایت کرتے رہتے ہین۔ اس مسئلہ پر مسٹر ایل ایس وولف (L. S. Woolf) نے اپنی "بین الاقوامی حکومت" (International Govt.) مین بڑی وضاحت سے بحث کی ہے

[3] برطانیہ عظمی نے ۱۵ ستمبر سنہ ۱۹۱۴ء کو صلحنامہ پر اپنے دستخط ثبت کیے اسکے ذریعہ ایک تحویلیہ مقرر کیا گیا ہے، اور اسمین برطانیہ کے ساتھ یہ رعایت کی گئی ہے اگر کوئی نوآبادی مقدمہ زیر بحث مین شریک ہو تو اسکی نمائندگی اس (خودمختار) نوآبادی کے رکن کے ذریعہ کیجا سکتی ہے

اشیائے خام پر مملکتی تسلط قائم رکھنے کے لیے مجبور ہو گئے ہین۔ اسکے بعد بہت سی بین الاقوامی تنظیمات قائم ہوئین۔ اتحادیین نے بین الاقوامی تنظیم کا تجربہ اشیائے خورد و نوش کے مشترکہ خرید مین، جو تقسیم کے لیے کی گئی تھی تسلط جہازرانی مین کیا ہے۔ ایتلافیین نے بھی اپسمین بین الاقوامی تنظیم کا نفاذ جائز رکھا ہے اور ممالک اسکانڈینیویا نے نرخ تبادلہ اور قبضۂ رسد کو ایک نئے نظام پر جو بین المملکت کے اصول پر ترویج دیا گیا ہے، مقرر کیا ہے۔ لہذا یہ نئی شکل اپنے اہم ترین اصول مین سنہ ۱۹۱۴ء کی حالت سے بالکل جدا ہے۔ اسوقت بین الاقوامی تنظیم صرف چندہی امور کے لیے مخصوص کی گئی تھی جس سے حیات سیاسی مین ترقی کا کوئی نیا دور شروع نہین ہوتا۔ اسوقت ہم نے نہ صرف مختلف ممالک مین مشترکہ عمل کی استفادیت کا تجربہ کیا ہے بلکہ وہ زمانۂ اوائل کی برائے نام بین الاقوامیت تنظیمی محکمون مین جلوہ گر ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اگر یہ نئی تنظیمات امن کے قائم رکھنے مین ناکامیاب بھی ثابت ہون تو جو کچھ بھی تجربہ اس سے حاصل ہوا بیکار نہ جائے گا۔ مقاصد عامہ کے لیے مختلف ممالک کی بین الاقوامیت اور شرکت عمل اب خیالی نہین کہلا سکتی۔ بعض حامیان انجمن اس سے بھی بڑھ گئے ہین۔ انکا خیال ہے کہ انجمن کے رکنی ممالک مشترکہ عمل کے لیے محکمہ جات تنسیقی یا عملیہ قائم کرین۔ کچھ زمانہ تک اشیائے خوردونوش و خام اشیا پر قبضہ کی ضرورت محسوس ہو گی، اور کچھ عرصۂ دراز کے لیے انجمن کو ایک ایسے کمیشن کی ضرورت ہو گی جو غیر ترقی یافتہ ممالک مین اصل اندازی کی نگرانی کرتا رہے؛ بین الاقوامی شعبی مجالس بھی جو محنت کے لیے قانون وضع کرتی رہینگی، اس دیوان انجمن کے تحت ہونگی؛

مترجمات

ناشاد بخارا

(۲)

مترجمہ نجیب اشرف ندوی، بی۔ اے۔

اب تک تمام کام خواہش کے مطابق ہو رہے تھے اور روسیون کو اس کا کامل یقین تھا کہ ان تحریکات کے ساتھ ان کا تعلق مکمل طور سے پوشیدہ ہے، اگر ان کو کافی وقت ملتا تو وہ یقیناً ایک باغی فوج تیار کر دیتے جو امیر کی کمزور و کم مسلح فوج کو شکست دیدیتی، لیکن دوسرے واقعات ان تیاریون کا انتظار نہین کر سکتے تھے، روسی افغانی معاہدہ چند مہینون سے معرض التوا مین پڑا ہوا تھا اور افغانی کسی صورت سے بھی روسی شرائط کو تسلیم کرتے نظر نہ آتے تھے، اس لئے ظاہر تھا کہ اگر امیر بخارا کی باغی رعایا ملک پر قابض ہو جائے تو افغانستان کو خطرہ پیدا ہوگا کہ کہین بالشوک اصول یہان بھی پھیلنا شروع نہ ہو جائین اور اس طرح وہ شرائط کی منظوری پر آمادہ ہو جائیگا، اگست کے آخری ایام اس بغاوت کیلئے مقرر کئے گئے تھے لیکن چونکہ روسی جانتے تھے کہ نوجوانان بخارا اس قدر قلیل فوجی تعلیم کے بعد مقابلہ نہ کر سکین گے، اس لئے روسیون نے بخارا کی سرحد پر خفیہ طور سے فوجی اجتماع کیا اور نوجوانان بخارا کو بتایا کہ جس دن وہ بغاوت کرین اسی دن تاشقند کے روسی حاکم سے درخواست کرین کہ وہ ان کے منصفانہ فعل کی تائید و حمایت کرے، چنانچہ نوجوانان بخارا ۳۱ اگست ۱۹۲۰ء کو بخارا کی سرحد مین "امیر کو معزول کر دو" کے نعرون کے ساتھ داخل ہوئے اور اپنے پشت پناہون کی ہدایت کے مطابق اُنھون نے بالشوک حکومت سے درخواست کی کہ وہ انکی مدد کرے جس مدد کیلئے انھون نے دست سوال پھیلایا تھا وہ پہلے ہی سے موجود تھی اور قبل اس کے کہ باغی روانہ ہون یہ باقاعدہ فوج اُن کے آگے بخارا کی طرف بڑھ رہی تھی، امیر کو معلوم

ہو گیا کہ اسکی قسمت کا فیصلہ ہو چکا ہے اور وہ بدقت تمام اپنے دار السلطنت سے بھاگ کھڑا ہوا، البتہ امیری فوج نے کچھ دنون تک نہایت بہادری سے حملہ کا مقابلہ کیا، لیکن یہ مقابلہ دیرپا نہین ہو سکتا تھا، مزید بران امیر کی غیر مسلح اور قواعد سے نیم واقف فوج روسی باقاعدہ فوج کا جو توپخانہ، اسباب، حرب اور طیارون سے مسلح تھی کب مقابلہ کر سکتی تھی، دار السلطنت پر بہت جلد روسی قبضہ ہو گیا، ان کا پہلا کام یہ تھا کہ اُنھون نے بخارا مین ایک بالشوک حکومت قائم کی جو روسی حکومت کے زیر ہدایت کام کریگی اور انمین تمام تر نوجوانان بخارا اور ان اشخاص کو جنھون نے بعجلت تمام اپنے کو اس کا حامی بنا لیا تھا، بھر دیا، اگرچہ اس حکومت کے ایک آزاد حکومت ہونے کا اعلان کیا گیا لیکن پھر بھی تمام ملک امیر کی حمایت مین جمع ہو گیا اور اس نے وسط اشیا ریلوے کے جنوب مین روسی پیش قدمی کو ہر ہر قدم پر روکنا شروع کر دیا، اس فوجی انقلاب کا اثر صرف بخارا ہی مین محسوس نہین ہوا بلکہ تمام ترکستان مین اس سے ایک عام ہیجان پیدا ہو گیا اور بعض مقامون پر امیر کی حمایت مین علم بغاوت بھی بلند کئے گئے لیکن یہ بغاوتین فوراً فرو کر دی گئین، کیونکہ وہ پورے جوش سے ظاہر نہین ہوئی تھین اور نہ لوگون مین کوئی عام حربی روح موجود تھی، بیرون بخارا کے ہمدرد خاموشی سے واقعات کے نتائج کا انتظار کرنے لگے، اگر ملکی جماعت کو ایک بھی نمایان کامیابی حاصل ہو جاتی تو یہ مذبذبین یقیناً ان کی طرف آجاتے، لیکن ایسا نہ ہو سکا اور غریب اہل بخارا ہی کو اپنی جد وجہد قائم رکھنا پڑی، دوسری طرف روسی بھی بلا کسی مزاحمت کے مزید امدادی فوج لا سکتے تھے اور اس طرح انکی قوت مستحکم ہو رہی تھی، امید کے موافق امیر بخارا کے عزل نے افغانستان مین ایک عام ہیجان پیدا کر دیا اور افغانی روسی گفتگو کا ہمیشہ کے لئے ختم ہو جانے کا وقت قریب نظر آنے لگا، اگرچہ کابل مین روس کے خلاف ایک عام تحریک پیدا ہو گئی تھی لیکن پھر بھی روسی اپنے اس خیال مین صحیح تھے کہ اس بغاوت کا اثر افغانی حکومت پر یقیناً ہوگا، چنانچہ ایک دو ہفتہ کے اندر

ہی ایک صلحنامہ طے ہوگیا، روسی نمایندون نے بھی افغانی دشمنی کے خیال سے مصالحانہ رویہ اختیار کرلیا تھا دوسری طرف روسیون کا خیال تھا کہ وہ اپنے مقصد مین اسی وقت کامل طور سے کامیاب ہوسکتے ہین، جب کہ اس تمام بغاوت کے بعد بھی کسی کو یہ نہ معلوم ہو کہ اسمین کسی قسم کی بھی روسی شرکت تھی، لیکن انکی یہ امید بر نہ آئی کیونکہ وسط ایشیا مین ایک متنفس بھی ایسا نہ تھا جو یہ نہ سمجھتا ہو کہ نوجوان بخارا تحریک مین شروع سے روسی ہاتھ نہین تھا، لیکن پھر بھی روس اپنے خود ہی مقصد مین کامیاب ہوگیا، اس خیال نے کہ روس کا یہ دعوی کہ وہ غریب ومظلوم کا حامی اور نجات دہندہ ہے، بالکل فریب ہے، روسی وقار کا تمام مشرق مین خاتمہ کردیا، اور اس کے ساتھ ہی خود بخارا مین جو فوائد حاصل ہوئے تھے غائب ہونے لگے،

اگرچہ اہل بخارا نے ترکمانون کی ایک چھوٹی جماعت اور معدودے چند افغانی رضاکارونکی مدد سے، سخت مقابلہ کیا، تاہم روسی نصف مغربی بخارا کو اپنے دشمنون سے پاک کرنے مین کامیاب ہوگئے، امیر کو مجبوراً افغانستان مین پناہ لینی پڑی، اور نظر آنے لگا کہ مزاحمین کی قوت تدریجاً گھٹ رہی ہے، ہان یہ سچ ہے کہ ۱۹۲۱ء مین روسی افواج اور ملکی دستون مین گاہے گاہے جھڑپ ہوجایا کی اور موخر الذکر نے روسی ذرایع پر حملہ کرکے ان کو برباد بھی کیا لیکن پھر بھی روسی قوی تر ہوتے گئے، موسم سرما بالکل خاموشی سے گذر گیا، آمد بہار نے ایک سخت جنگ کی ابتدا کی جو پہلے سے بہت زیادہ خوفناک تھی، کیونکہ مارچ ۱۹۲۲ء مین انور پاشا مرحوم کو روسیون نے کوہ قاف سے نکل کر ترکستان جانیکی غیر مشروط اجازت دیدی تھی، یہان پہونچ کر انھون نے بالشوکون سے علیحدگی اختیار کرلی اور ملکی افواج کے قائد اعظم بن گئے، اس سوال کا فیصلہ کہ کس چیز نے مرحوم کو اپنے دیرینہ دوستون سے علیحدگی اور ان کے دشمنون سے دوستی پر آمادہ کیا، سخت مشکل ہے اور نہ اس مسئلہ پر تفصیلی حیثیت سے بحث کرنیکی ضرورت ہے، خیال ہے کہ اُن جیسے حوصلہ مند شخص کو ان حالات مین ایک جدید حکومت قائم کرنے

کا موقع نظر آیا اور انھون نے ایسا کیا، ان کو امید تھی کہ وہ افغانی مدد سے اسمین کامیاب ہون گے، ان کی موجودگی نے اہل ملک مین ایک نیا جوش پیدا کردیا، تمام اسلامی ممالک مین ان کا وقار زبان زد تھا اور ان کے نام نے اہل بخارا کیلئے جادو کا کام کیا، مختلف قبائل کے سردار جو معمولی تعصبات کی بنا پر ایک دوسرے سے متحد نہ ہوسکتے تھے، ان کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئے اور انھون نے انکی افواج کو مرتب کرکے ان سے انتہائی فوائد حاصل کرنا شروع کردیا، روسیون کو اب ہر طرف خوف وہراس ہی نظر آنے لگا جس جگہ بھی انکی کمزوری ہوتی وہان ان کے دشمن اُن پر حملہ کرکے ان کو تباہ کردیتے اور جب چھوٹے دستے سفر کرتے ہوتے تو ان کو انور پاشا مرحوم کی فوج سے دوچار ہونا ضروری تھا جب کبھی موقع ملتا روسی ذرائع رسل برباد کردیے جاتے، چند مہینون تک بخارا کی روسی فوج سخت ترین نازک حالت مین رہی، لیکن اس کے بعد روسی جنوبی سمت سے مزید مدد حاصل کرنے مین کامیاب ہوگئے اور دوسری طرف چونکہ انور پاشا مرحوم کو افغانستان سے کوئی مدد نہین ملی ان کے پاس ذخائر واسلحہ کے حصول کا کوئی ذریعہ موجود نہ تھا، بخارا کی آزادی کیلئے اُنھون نے جو جنگ شروع کی تھی اس مین ان کو روسی افواج کی کثرت تعداد اور اسلحہ کی افضلیت کی وجہ سے متعدد بار ناکامیون کا سامنا کرنا پڑا، اور بالآخر اگست مین وہ جنوبی بخارا مین جہان ان کو اپنی بقیہ فوج سمیت ہٹ جانا پڑا تھا شہید ہوئے، انکی وفات اُن اشخاص کیلئے جو روس کو بخارا سے نکال دینا چاہتے تھے ایک مہلک ضرب تھی، لیکن تمام سردارون نے بلا پس وپیش اپنے کو انور پاشا مرحوم کے اعلی افسر کے ماتحت کردیا جنھون نے اب اپنے مرحوم آقا کی جگہ لے لی تھی، ان کے تحت روسیون پر برابر حملے ہوتے رہے اور اب جاڑون مین بھی یہ صورت حال قائم رہی جب کبھی موقع ملتا تو اتنے سخت حملے ہوتے کہ انور مرحوم کا زمانہ سامنے آجاتا، اپنی تمام کوششون کے باوجود یہ ترکی افسر تمام قبائل پر اپنا اثر قائم نہ رکھ سکے کیونکہ ان مین انور ہی جادو نہ تھا اور اس کا نتیجہ

ایک طرف روسی قوت کا استحکام اور دوسری طرف بخاری فوج کا انتشار تھا، مختلف قبائل کے باہمی تعصبات کی آگ پھر بھڑک اٹھی اور اب جو مختلف حملے سننے مین آتے ہین وہ ان مختلف قبائل کے ہین جن کو ایک دوسرے سے کوئی بھی واسطہ نہین، اسلحہ کی آمد بند ہوگئی ہے اور اس خیال نے کہ اب کسی بیرونی امداد کی اُمید نہین ہے یہان کے لوگون کے اخلاق پر ایک بُرا یاس انگیز اثر ڈالا ہے، ان حالات کے اندر امید کی جا سکتی ہے کہ اگر روسیون کو کافی فوج اور ایک لائق افسر مل گیا تو وہ مشرقی بخارا کو بھی دشمنون سے پاک کرکے دار الامن بنا دین گے، لیکن ملک کا عام رجحان ان باغیون ہی کی طرف ہے، اور وہ ایسے پہاڑی علاقون مین رہتے ہین کہ وہ جب چاہین میدانون اور وادیون مین لوٹ کر قبل اس کے کہ کوئی فوج انکے مقابلہ مین روانہ کی جا سکے اپنے ناقابل عبور و تسخیر پہاڑی گہوارون مین جا سکتے ہین، اس قسم کے حملون کا انسداد ایک طویل و مشکل کام ہے،

جہان ایک طرف روسی فوج باغیون کے استیصال مین مصروف ہے، وہان دوسری طرف روسی ملکی افسر بخارا کے مفتوح و مامون علاقون پر اپنا قبضہ جمائے ہوئے ہین اور نام نہاد آزاد بالشویک حکومت کو جو مقامی اشخاص پر مشتمل ہے نہ صرف نظر انداز کر دیا گیا ہو بلکہ ان کو اپنے ملک کے متعلق ایک حرف کہنے کے حق سے بھی محروم کر دیا گیا ہو، رہی وہان کی اقتصادی و زراعتی حالت، جس سے حملہ کے وقت روسیون کو اتنی توقع تھی، مسلسل خانہ جنگیون اور عام بے چینی کی وجہ سے تباہ و برباد ہے، اکثر باشندے اپنے گھر چھوڑ چھوڑ کر بھاگ گئے ہین، اور انکی زمینین غیر مزروعہ پڑی ہین، آب پاشی کی نہرین بے مرمت ہین کارخانے بند ہین، اور آج بخارا بھی بقیہ ترکستان کی طرح ویران و سنسان ہے، اگست ۱۹۲۰ء کے ظالمانہ روسی حملہ کے یہ نتائج ہین، حتی کہ وہ لوگ جو امیر کو ظالم کہتے اور اس کے زوال کو ایک برکت سمجھتے تھے اب اصلی حالات سے واقف ہو گئے ہین، اور روسیون نے بخارا کو جو آزادی دی ہے وہ برائے نام ہی ہے، تمام بخارا روسی فوجون سے پامال ہے، روسی حکام نہ کہ بخاری حکام کے الفاظ ہر ملکی

معاملہ مین فیصلہ ناطق ہوتے ہین اور آج تک روسیون نے بخارا کا جو حصہ فتح کیا ہے وہ اسی طرح انکا مقبوضہ علاقہ ہے جس طرح ترکستان، یہ روسی حالت کہا جاتا ہے کہ باغیون کی موجودگی کی بنا پر ہے، بس اب دیکھنا ہے کہ جب کہ باغیون کا کامل استیصال ہو جائے اُس وقت بھی روسی اپنے ان وعدون کو پورا کرتے ہین یا نہین، اور غریب اہل بخارا آزادی کی اُس نعمت سے جسکی وہ تین سال سے اس قدر تعریف سن رہے ہین، اور جسکو اُنھون نے بہت کم پایا ہے، سرفراز ہوتے ہین یا نہین؟ اگر روسی ملک کو چھوڑنے پر راضی بھی ہوگئے تو بخارا کو اپنی اصلی آسودگی جسے روسیون نے بلاوجہ کسی اشتعال کے بغیر اس بری طرح سے برباد کیا ہے، بحال کرنے مین زمانہ لگے گا،

مطبع معارف

مطبع معارف کے خاص خصوصیات کی بنا پر اکثر علم دوست اصحاب نے اپنی کتابین اس مطبع مین چھپوانے کی خواہش کی، لیکن ہمارے پاس خود اتنے کام تھے کہ ہم ان کو پورا نہین کر سکتے تھے لیکن اب انجن سے مشین چلنے کے باعث باہر کی فرمائشون کی بھی تعمیل کر سکتے ہین اگر کوئی صاحب اپنی کوئی کتاب چھپوانی چاہتے ہون تو وہ بخوشی ہمارے پاس بھیج سکتے ہین، نرخنامہ کیلئے منیجر کے نام خط و کتابت کیجئے،

تلخیص و تبصرہ

ممالک اسلام اور جذبۂ قومیت

ڈاکٹر چارلس آر، واٹسن ڈی ڈی نے دی انٹرنیشنل ریویو آف مشنز مین مذکورۂ بالا عنوان سے ایک دلچسپ مضمون لکھا ہے، ہم اسکی تلخیص اہلِ معارف کیلئے پیش کرتے ہین،

عہد قومیت، انقلابِ فرانس کے بعد شروع ہوتا ہے، اس عہد مین تمام یورپ مین قومیت کا احساس عام طور سے پیدا ہوگیا تھا، اسی زمانہ مین جرمنی، اطالیہ، یونان، بلجیم، سردیا، رومانیا، بلغاریہ اور جاپان نے یہ خواب دیکھا، گذشتہ جنگ عظیم نے جو جدید آزاد قومی ریاستین قائم کی ہین ان کا تذکرہ یہان پر کچھ ضروری نہین، اب معلوم ہوتا ہے کہ یہی احساس اسلامی ممالک مین بھی پیدا ہوگیا ہے،

اسلام مین، حکومت، ایک مذہبی تنظیم ہے اور خیالی حیثیت سے یہ ایک عالمگیر تنظیم ہے، یہ ایک حکومتی مذہب ہے اس کی بنیاد اور اس کا آئین، قرآن مجید یا وہ کتابین ہین جنکی بنیاد قرآن شریف ہے، اس کا ذریعہ اقتدار مذہبی ہے، یہ کتاب صرف عام اُصول ہی پر مشتمل نہین ہے، بلکہ اسمین تمام جزئیات بھی شامل ہین حیات انسانی کا کوئی شعبہ بھی اس کے دائرہ سے باہر نہین اور یہ مذہبی حکومت ہمہ گیر ہے، اسلامی سیاست کی تنفیذ کی شرط بھی مذہبی اعتقاد و قبولیت ہے، اس مذہبی حکومت کے تخیل سے بڑھکر اس خیال نے ایک عالمگیر صورت اختیار کرلیا ہے، یہ عمومیت دوسرے ممالک کے مسلمانون کو بھی اپنے آغوش مین لے لیتی ہے، اس لئے اسلامی حکومت کے جغرانی حدود مقرر نہین کئے جاسکتے، جہان کہین بھی مسلمانون کو غلبہ حاصل ہو اُن کو لازم ہے کہ وہان دنیاوی و دینی

حکومت قایم کرین،

لیکن اگر اس عمومی اصول مین کوئی فرق اور مین فرق نمایان ہوگیا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اسپر روشنی ڈالین، اس وقت بہت سے ایسے لوگ موجود ہین جن کا خیال ہے کہ اس تفریق کو جذبۂ قومیت کے الفاظ سے بہترین طریقہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، موجودہ صورت مین اسلامی نظریہ مین دو نئی باتین معلوم ہوتی ہین پہلی سیاسیات سے مذہبیات کی علیحدگی اور دوسری اس کو مقامی بناتا ہے، سیاسیات کی مذہب سے علیحدگی مختلف صورتون سے ظاہر ہو رہی ہے، اس کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ اکثر صورتون مین اس خیال کا اظہار کیا جاتا ہے کہ وہ حالات اسلامی حدود و قوانین کے اثر سے باہر ہین، مثلاً اکثر اسلامی ممالک کے قوانین تعزیرات اصلی اسلامی قوانین نہین ہین، اب چورون کے ہاتھ نہین کاٹے جاتے بداخلاقون کی سنگساری نہین ہوتی، اور اس قسم کے دوسرے معاملات اسلامی اصول کے بنا پر فیصلہ نہین پاتے، اسی طرح تجارتی قوانین بھی عہد موجودہ کی روح کے ساتھ بہت کچھ بدل گئے ہین اور اسلامی قوانین کا کوئی اثر ان مین باقی نہین رہا ہے عدالتون مین بھی یہ وسعت اختیار کی جارہی کہ مسلم اور غیر مسلمون کے تمام مقدمات ایک ہی عام اصول کی بنا پر طے کئے جائین، اور یہ سراسر اسلامی حکومت کے اُصول کے خلاف ہے، قاضی کا دائرہ اثر محدود ہو رہا ہے جدید قوانین، جو عموماً یورپین قوانین کے نمونہ پر بنائے جارہے ہین، ایک بڑی حد تک قرآنی قوانین کو نظر انداز کر رہے ہین، جہان اس قسم کے قوانین نہین بنے ہین وہان بھی اب علانیہ قرآنی احکام سے گریز کیا جانے لگا ہے،

ڈاکٹر مذکور اپنے ثبوت مین ذیل کی مثال پیش کرتے ہین مصر کا موجودہ آئین ہمکو بتاتا ہے کہ وہ صحیح اسلامی آئین سے کس قدر الگ ایک نئی چیز ہے اس مین ہمکو نظر آتا ہے کہ "تمام مصری قانون کے نظر مین مساوی ہین، ان کو تمام مدنی و سیاسی حقوق یکسان طور پر حاصل ہین

اور تمام مصریون پر ایک ہی طرح ہر قسم کی ذمہ داریان عاید ہوتی ہین"، کیا ایسی حالت مین جبکہ ہم کو معلوم ہے کہ ملک مین عیسائی قلیل التعداد ہین! اس قسم کا اعلان اسلام کے عین احکام کے مطابق ہو سکتا ہے؟ مراکش، الجزائر، ٹونس، مصر، شام، ہر جگہ مذہب سے سیاسیات کی علیحدگی کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے، اور ترکی نے تو اس تمام عمارت کی اصل بنیاد ہی کو اڑا دینے کیلئے سب سے بڑی سرنگ لگا دی ہے،

دوسری شے، اسلامی ممالک کو جغرافی حدود کے اندر مسدود کرنے کا خیال ہے، اور اب یہ ممالک اپنے قومی و اقتصادی مفاد کے لحاظ سے اپنی سرحدین مقرر کر رہے ہین، جیسا کہ ہم بتا چکے ہین اسلام کا اصلی سیاسی نقطۂ خیال عالمگیر حکومت تھا جس کی بنا ر عام اسلامی اخوت اور اس خیال پر تھی کہ اسلام کوئی ملکی مذہب نہین ہے، اب اس عام خیال مین بھی بڑا فرق آگیا ہی اور اب ہر ملک انفرادی حیثیت سے اپنے منافع و فوائد کا لحاظ کر کے کام کرتا ہے، بعض حالات مین تو خود دو اسلامی ممالک مین بھی سرحد کے متعلق کشیدگیان پیدا ہو گئی ہین گذشتہ جنگ مین اسلامی برادری کے نام سے جو اپیل کی گئی اور اس کا جو ہمت شکن جواب ملا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک عام اسلامی حکومت کے خیال سے لوگ کس قدر کم دلچپی لیتے ہین، اور یہ خیال کیون کر غائب ہو رہا ہے، حال ہی مین غلافِ کعبہ کے متعلق، حکومت مصر اور حکومت حجاز مین جو کشمکش پیدا ہو گئی تھی وہ بتاتی ہے کہ اسلامی استحکام کس قدر کمزور ہو گیا ہے، عام مباحث مین آئنی کتابون اور دستاویزون مین اور عام خیالات مین یہی روح کام کرتی نظر آتی ہے، یہ روح جذبہ قومیت کے سوا کوئی دوسری شے نہین ہے۔

جن اسلامی ممالک مین یہ جذبہ پیدا ہو گیا ہے، وہان ذہنی بیداری کی علامات بھی نمایان ہونا شروع ہو گئی ہین، وہان ادبیات علوم و فنون، اور معارف کا ایک عام شوق پیدا

ہو گیا ہے تقریباً تمام اسلامی ممالک سے علمی ذوق کی اطلاعات موصول ہو رہی ہین، ہر جگہ مدارس بھی قائم ہو گئے ہین، ہر جگہ یہ خیال دل مین بیٹھ گیا ہے، کہ مغربی ترقی و اقتدار کے حصول کیلئے یہ تعلیم از بس ضروری ہے، چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لئے متعدد مدارس کے قیام کے ساتھ خاص مدارس، خاص مجالس خواتین، مجالس اطفال اور مجالس سیاسیات، قایم ہو رہی ہین اس کے ساتھ رواداری، اعلیٰ حوصلگی جدید خیالات کی طرف توجہ، مباحث مین دلچسپی، تجربون کا شوق، روز افزون ترقی پر ہے اور یہ چیزین نشأۃ جدیدہ پر دال ہین"، لیکن ہمکو اس سے خوش نہ ہونا چاہئے، کیونکہ ممکن ہے کہ جس طرح یورپ کی مختلف قومون کے بغض و حسد نے صرف قومیت کی بنا پر اس قدر تلخ اثرات پیدا کئے ہین، وہی کہین ان اسلامی ممالک مین بھی رونما نہ ہون،

(معارف): محترم ڈاکٹر نے جو کچھ لکھا ہی اس کا حرف حرف صحیح ہی، لیکن شاید وہ خود اب اس حقیقت سے انکار نہین کر سکتے کہ یورپ نے قومیت کے جس ہار کو ایک بیش قیمت دولت سمجھ کر گلے مین ڈالا تھا وہی اب چند صدیون کے تجربہ مین اسکے لئے طوق لعنت ثابت ہو گیا ہی، اور وہ خود اس زنجیر سے جلد از جلد نجات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہی، بعض موجودہ اسلامی حکومتون نے یورپ کی غلط تعلیم حاصل کر کے اسکی تقلید شروع کر دی ہے جو یقیناً قدیم و حقیقی شرع کے خلاف ہی لیکن ہمکو امید ہی کہ یہ حکومتین بھی بہت جلد اپنی غلطیون کو محسوس کرینگی اور خود پھر اپنے دین حقیقی کی اصلی تعلیم کی طرف لوٹ آئیگی، کہ اسلام دین فطرت ہی، اور ہر کام جو اس کے خلاف ہو فطرت کے خلاف اور ناممکن ہی،

ہند قدیم کا طرز تعلیم

پروفیسر رادھا کمود مکرجی نے جنرل آف انڈین ہسٹری مین ایک نہایت ہی پر معلومات مضمون حوالۂ قلم کیا ہے جسمین وہ لکھتے ہین کہ ہندوستانی خیالات وادبیات کی عظمت کوئی اتفاقی شے نہین ہے، بلکہ وہ طرز تعلیم کا لازمی نتیجہ تھی، اس لئے ہمکو اپنی گذشتہ عظمت کے حصول کیلئے اسی طریقہ کو پھر رائج کرنا چاہیے، اس مضمون مین انھون نے تین قسم کے مدارس بتائے ہین ہم انکے متعلق ان کے مضمون کی تلخیص پیش کرتے ہین :۔

سب سے پہلا طریقہ مقامی یا خانگی طرز تعلیم کا تھا، استاد اپنے گھر مین رہتا اور کم سن بچون کو تعلیم دیتا، یہ بچے عقل اور سمجھ کے آتے ہی اپنے گھر چھوڑ کر اپنے شفیق استاد کے یہان آجاتے اور یہان انکی دماغی وجسمانی دونون ترقیان ہوتین، استاد کے گھر مین داخلہ دراصل انکے روحانی وجود کی پیدائش ہوتی تھی اور اسی چیز نے آگے چلکر برہمچاری صورت اختیار کرلی ہے، ان کے داخلہ کے وقت خاص رسوم ادا کئے جاتے تھے جو یقیناً اپنے اندر گہرے معنی رکھتے تھے، اب جو طریقہ داخلہ ہے، وہ اس قدر بے اثر اور ظاہری ہے کہ اس کا لڑکے پر کوئی اثر ہی نہین ہوسکتا، ہر طالب علم صرف فیس داخل کرکے ایک رجسٹر مین اپنا نام لکھوا سکتا ہے، اور اسی مین اس فقدان روح کا راز پوشیدہ ہے۔

دوسرا طریقۂ تعلیم اجتماعی مباحث کی مجالس تھین، جب طلبہ اپنی ابتدائی تعلیم ختم کرکے نکلتے تھے تو انکی پیاس بجھتی نہ تھی اور وہ ہمیشہ جدید معلومات کی تلاش مین رہتے، اس کے ساتھ ہی ان کو اپنے خانگی امور مین بھی حصہ لینا پڑتا تھا، اور اسی تشنگی کو دور کرنے کیلئے انھون نے یہ صورتین اختیار کرلی تھین، کہ ہر حلقہ مین متعدد علمی مجالس قائم کرلی تھین، اور ان مین وقتاً فوقتاً مختلف

موضوع مباحث پر تبادلۂ خیال ہوتا، یا اساتذۂ فن ومشاہیر کی خاص خاص موضوع پر تقریرین ہوتین، اس طرح ہم دیکھتے ہین کہ طلبہ اپنی خالص طالب علمانہ زندگی، (برہمچاری) بسر کرنے اور علائق خانگی مین گھر جانے کے بعد بھی، اپنے مخصوص ذرائع اور منتظم مجالس کی مدد سے علوم وفنون کے اکتساب اور اپنے معلومات کے دائمی اضافہ مین مصروف رہتے تھے، اکثر فلسفی اور دیگر اصحاب علوم وفنون مین مزید معلومات کیلئے تمام ملک کا دورہ کرتے رہتے، اور جہان کہین بھی موقع ملتا وہ اپنے علوم سے لوگون کو مالا مال کرتے اور خود بھی بہت کچھ سیکھتے رہتے، اسی لئے ان کا خزانۂ معلومات بڑھتا رہا اور اس کا نتیجہ دقیق فلسفی مسائل کا حل اور علمی ارتقا تھا، اسی چیز نے انکی دماغی وذہنی ترقیون کو بہت کچھ بڑھادیا اور اس قابل بنادیا کہ وہ مستقل علوم کے مختلف مذاہب کے بانیون کی حیثیت سے دیکھے جاتے ہین۔

ان دو قسمون کی تعلیم کا نتیجہ تیسری قسم کی تعلیم تھی جس نے تمام ملک مین ایک سرے سے دوسرے سرے تک علوم کے دریا بہادیئے، مختلف فلسفیانہ اور علمی مجالس کے علاوہ جو اپنے اپنے مقامات پر تعلیم پھیلاتی ہوتین، اکثر بادشاہ مختلف اوقات مین بڑے بڑے پنڈتون اور جید عالمون کو بلاتے علمی مجالس آراستہ کی جاتین، مختلف خیالات کے لوگ جمع ہوتے، متعدد مباحث پیش ہوتے تمام لوگ اس سرچشمہ سے یکسان سیراب ہوتے تھے، ان کے علاوہ تمام ملک کی قومی انجمنین ہوتین ان کے بھی مختلف اوقات مین جلسے ہوتے، بڑے بڑے اصحاب فکر ان مین جمع ہوتے اور اس طرح تمام ملک مین علمی ذوق اور اس کے ساتھ علمی ترقی ہوتی، یہی طریقۂ تعلیم تھا جس نے ہندوستان کے علوم کو یہ اعلیٰ درجہ دے رکھا ہے، اور جس سے قابل فکر اساتذہ پیدا کئے۔

حیات امام مالک

اخبارِ علمیہ

امریکہ مین جامعہ چیکاگو کے ایک اُستادِ ارضیات ڈاکٹر اے۔ سی۔ نوی (Dr. A. C. Noe)
ان دنون زمین کی عمر کے مسئلہ پر غور کر رہے ہین، ابتداءً زمین لاکھون برس کی بتائی جاتی تھی اوس کے
بعد کروڑون تک نوبت آئی اور اب ڈاکٹر موصوف کی تحقیقات اِس کو اربون تک پہونچا دیگی
ان کا دعویٰ اِن نقشہائے گُل کو دیکھ کر پیدا ہوئے ہین جو ایک کوئلہ کی کان کے ایک گولے مین پائے
گئے ہین، اہلِ علم اصحاب جانتے ہین کہ پتھر کا کوئلہ کس طرح بنتا ہے، اور اس کے ساتھ تمام چیزین
کس طرح حجریت اختیار کر لیتی ہین، انھین حجری نقوش سے جو فاسل (Fossils) کہلاتے ہین
زمین کی عمر کا اندازہ کیا جاتا ہے،

امریکہ کے مسٹر نولن (Mr. Nolan) نے حال ہی مین ایک بہت بڑی ویل مچھلی پکڑی ہی
اس کے متعلق وہان کے ناظم عجائب خانہ حیوانات کا بیان ہے کہ وہ دنیا کی سبسے بڑی اپنی قسم
کی مچھلی ہے یہ مچھلی ۲۳ فٹ لمبی ہے اس کے ساتھ یہ معلوم کرنا بھی دلچسپ ہوگا کہ بعض مقامات پر
۵۰ سے لیکر ۸۰ فٹ تک کی مچھلیان پائی جاتی ہین اس حیثیت سے جزائر سیچلس (Seychelles
Islands) خاص امتیاز و شہرت رکھتے ہین،

انسان کی ایک بڑی تعریف اُس کا دور اندیش ہونا ہے لیکن بعض وقت یہ چیز انتہا تک
پہونچ کر ایک عجیب صورت اختیار کر لیتی ہے، اسی قسم کی دور اندیشی کا ثبوت یورپ کے بعض ماہرین

سائنس دے رہے ہین وہ اس خیال سے بہت پریشان ہین کہ جب دنیا کے کوئلہ تیل اور لکڑی
کا ذخیرہ ختم ہو جائیگا تو آخر موجودہ عہد کی عظیم الشان ایجادات کا کیا حشر ہوگا، کیا ان کو بند کر دینا
اور ہمیشہ کے لئے برباد کر دینا پڑیگا، اسی خوف نے ان کو ایسی اشیاء کی ایجاد کی طرف متوجہ کر لیا
ہے، جو اُس وقت ان چیزون کا نعم البدل ثابت ہو سکین چنانچہ سر ارنسٹ آرتھر فولڈ نے اعلان
کیا ہے کہ ایک گلاس پانی مین اتنی قوت موجود ہے کہ وہ ایک بڑے جہاز کو امریکہ لیجا اور وہان
سے واپس لا سکتا ہے، اس وقت ایک جہاز مین اتنی مسافت کیلئے تقریباً ۵۰۰۰ ٹن کوئلہ خرچ ہوتا ہے
اس لئے ایک گلاس پانی مین گویا ۵۰۰۰ ٹن کوئلہ کے برابر قوت (انرجی) موجود ہے۔ لیکن سوال یہ ہے
کہ اگر پانی بھی ختم ہو گیا تو کیا ہوگا؟

مہذب ممالک مین چورون نے آسانی سے روپیہ حاصل کرنے کی یہ صورت اختیار کر لی ہے کہ
وہ ایک پستول لیکر بنیک مین چلے جاتے ہین اور خزانچی کے سامنے سے روپیہ اُٹھا لیجاتے ہین، کیونکہ
اسے خطرہ ہوتا ہے کہ اس نے اگر ذرا بھی حرکت کی تو گولی اس کے سینہ مین ہوگی، اس بلائے ناگہانی
کے مقابلہ کیلئے ایک شخص نے ایک پیپا ایجاد کیا ہے، جسمین گیس بھری ہوتی ہے اس سے گیس
نکالنے کیلئے ایک تختی زمین سے لگی رہتی ہے، جس کے پیر سے دبانے سے گیس ایک نالی کے ذریعہ نکلتی ہے
چور کے آتے ہی خزانچی دونون ہاتھ اُٹھا کر کھڑا تو ہو جاتا ہے، لیکن اِس کے ساتھ ہی پیپے کی تختی اس کے
پیر سے دبتی ہے، معاً گیس چور پر اس قدر تیزی سے حملہ کرتی ہے کہ وہ بدحواس ہو کر گرفتار ہو جاتا ہے،

لاسلکی طریقہ سے آواز، تصاویر، خطوط اور نغمون کی ترسیل کے محیر العقول کارنامے سن ہی کر
ہم محوِ حیرت تھے کہ اب اس کے موجد و ماہر پروفیسر نیکولا ٹسلا (Prof. Nikola Tesla

نے اعلان کیا ہے کہ وہ وقت بہت قریب ہے جبکہ وہ اسی طریقہ سے ہزارون میل دور کارخانون اور شہرون کے لئے برقی قوت اور روشنی بھی مہیا کرسکین گے چنانچہ وہ اس کا تجربہ کر رہے ہین اور اُن کو اپنی کامیابی کا یقین کامل ہے،

بحرِ روم مین ایک قسم کی مچھلی کا پتہ چلا ہے، جو بہترین ریشم کا سوت تیار کرتی ہے، اس کا ایک سوت تقریباً ۷ میل لانبا ہوتا ہے اور اس کے وزن کا یہ حال ہو کر اتنا لمبا سوت ایک گرین سے زیادہ نہین ہوتا، اس سے جو پارچے وغیرہ بنائے گئے ہین ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بہت گرم نرم خوشنما و دیرپا ہوتے ہین، یہ مچھلیان اپنی جگہین اکثر بدلتی رہتی ہین لیکن ہر جگہ ریشم کی ایک کافی مقدار چھوڑ جاتی ہین،

جرمنی کے ایک مشہور ماہر اثریات فرنزوان وِنڈرن (Franz Vonwendrin) نے ایک کتاب "تحقیقِ جنت" کے نام سے شایع کی ہے اُس کتاب مین اُنھون نے دعویٰ کیا ہو کہ حضرت آدم کی جنت عراق کی بجائے مکلن برگ مین جو برلن سے سو میل پر ہے، تھی مذہبی روایات پر بحث کرتے ہوئے وہ لکھتے ہین کہ اگر جنت عراق مین ہوتی تو حضرت حوا حضرت آدم کو سیب کی جگہ کھجور یا کیلا پیش کرتین، اون کا خیال ہے کہ جرمن مہاجرین اپنے ساتھ شہرون کے نام بھی لیگئے، جو اختلاف تلفظ کی بنا پر دور دراز ممالک مین بدل گئے مثلاً جریکو، جرمیکا ؤ سے اور جورڈن، جارڈن کی مسخ شدہ صورتین ہین حقیقت کچھ ہی ہو، لیکن اہل مغرب کیلئے مصلحت یہی ہے کہ وہ اسی دنیا کے کسی خطہ کو جنت بنالین،

آج کل یورپ مین بچون کی صحت کے طرف خاص توجہ کی جارہی ہے، انکی صحت کی دریافت کیلئے یون تو بہت سے طریقے ایجاد ہوئے ہین لیکن سب سے آسان طریقہ اون کے قد کے ذریعہ اونکی صحت کی دریافت ہے، چنانچہ اس سلسلہ مین جو معلومات حاصل ہوتے ہین وہ بہت ہی دلچسپ ہین، پندرہ روزہ بچے کا قد ۱۹½ انچ ہوتا ہے، سال ختم ہوتے ہوتے وہ ۲۸½ انچ کا ہو جاتا ہے، پس اگر کوئی بچہ اسی حساب سے برابر بڑھتا رہے تو وہ تین سال کی عمر مین ایک جوان آدمی کا قد یا گیارہ برس مین وہ ۰۰ فٹ ۵ انچ کا اور دس سال مین وہ ۲۸۰ فٹ کا طویل القامت دیو ہوگا،

انسان کی تمنا ہے کہ وہ ہمیشہ جوان رہے، اس لئے وہ بڑھاپے کی نہ بدلنے والی حالت سے بچنے کے لئے ہر ممکن طریقہ کو اختیار کرتا ہے، اسی خواہش نے مختلف ڈاکٹرون کو بھی اپنی طرف متوجہ کرلیا ہے، چنانچہ کچھ عرصہ قبل ڈاکٹر وروناف (Dr. Voronoff) نے بندرون پر اپنے نظریہ کا تجربہ کرکے یہ ثابت کیا ہو کہ چند غدودون کی تبدیلی سے جوانی لوٹائی جاسکتی ہے، اب ایک ڈاکٹر ولیم جے، اے بیلی (Dr. William A. Baely) نے دعویٰ کیا ہے کہ ریڈیم کے ذریعہ بعض شعاعون کا چند مخصوص غدودون پر اثر ڈال کر یہ نتیجہ حاصل کیا جاسکتا ہے،

چین مین ایک گوشت خور پتنگے کا پتہ چلا ہے، اس کی غذا کیڑے ہوتے ہین، وہ پانچ انچ لمبا ہوتا ہے، اور وہ ۱۵۰ سے ۵۰۰ انڈے بیک وقت دیتا ہے، یہ انڈے ایک دوسرے ملے ہوتے ہین، امریکہ کے ماہرین زراعت اس پتنگے کو وہان لیجارہے ہین تاکہ وہان کے زراعتی کیڑون کا خاتمہ ہو جائے،

ادبیات

کلامِ ہادی

از جناب سید محمد ہادی مچھلی شہری بی۔ اے، ال، ال بی وکیل علی گڈھ

میری وحشت مین مضمر خود گرفتاری کا سامان ہے — گلے کا طوق میرے حق مین پھر تارِ گریبان ہو

الٰہی خیر ہو کیون مٹ چلا ہے داغِ دل میرا — یہی ہے روشنی گھر کی یہی شمعِ شبستان ہو

یہ کیا کم ہے کہ چھپتا ہون، محبت کے مصائب سے — مجھے وہ قتل کرتے ہین تو یہ بھی اونکا احسان ہو

تجھے دشواریان ناصح نظر آئین محبت مین — مگر ہم پختہ کارون کے لئے یہ کار آسان ہو

جسے ہنگامۂ محشر سمجھ رکھا ہے دنیا نے — وہی وارفتگانِ عشق کے سینے مین پنہان ہو

چھڑائی کیا قضا مجھکو بھلا اندوہِ حرمان سے — تمھاری تیغِ بران کا مری گردن پہ احسان ہو

یہ اُٹھی معذرت مستوجبِ الزام سے کیسی — ہماری سخت جانی خود ہی اے قاتل پشیمان ہو

مری صورت مین ہے اک خود فراموشی کی کیفیت — مری حیرانیون کو دیکھکر آئینہ حیران ہو

تمھارے جوہرِ تیغِ ادا کی مہربانی سے — مرا ہر قطرہ خون رو کش لعلِ بدخشان ہو

بھرا کرتا ہون جب سے نکہت بربادکی صورت — مین یہ بھی کہہ نہین سکتا مرا مسکن گلستان ہو

وفورِ لذتِ دیدار نے بے خود کیا مجھکو — نرالا ساری دنیا سے مرا اندازِ حرمان ہو

ذرا نیرنگیان حسن و محبت کی کوئی دیکھے — کہ ہر گوشے مین دل کے اک نئی تصویر جانان ہو

مین خود اپنی تمنائے دلی پر رشک کرتا ہون — قیامت ہے مری اُمید بھی پابندِ حرمان ہو

قیامت مین بھی بنجائے گا آئینۂ رحمت — تو کیا سمجھا ہے زاہد یہ ہمارا داغِ عصیان ہو

مجھے فصاد کے احسان کی حاجت نہین ہادی

کہ میرا چارہ گر وحشت مین ہر خارِ بیابان ہے

شادی

از جناب شبیر حسین خان صاحب جوش ملیح آبادی

اے نشاطِ بزمِ شادی اے نویدِ نوبہار — اے کہ تیرے چوکھٹے مین تابشِ تصویرِ یار

اے کہ بادِ صبح سے تیری ہوائین خوشگوار — اے کہ پھولون سے معطر تیرے کوچے کا غبار

تیری خوشبو سے جوانی کیون نہ آئے ہوش مین

بوعروسی پیرہن کی ہے ترے آغوش مین

ابرِ رحمت بنکے چھایا ہے ترا لطفِ عمیم — نسلِ آدم کو دکھائی تونے راہِ مستقیم

تونے انسان کو دیا گہوارۂ نازونعیم — تجھسے قائم خاندانونکی روایات قدیم

روح پرور آدمیت کا فسانہ تجھسے ہے

سازِ ہستی مین شرافت کا ترانہ تجھسے ہے

برقِ ظلمت سوز ہے تیری نگاہِ دلبری — تیرے تجربون نے ہمیشہ کی ہماری رہبری

حشر اٹھا نظمِ عالم مین وہ پڑتی ابتری — تو اگر کرتی نہ بزمِ دہر مین جلوہ گری

ڈوب کر اخلاق کی نبضین اُبھرتی ہی نہین

بے ترے زلفین تمدن کی سنورتی ہی نہین

بستیون مین آدمی پھیلے ہوئے ہین دور دور — چند اُنمین عقل والے، چند انمین بے شعور

کچھ دماغون مین فراست کچھ دماغونمین فتور — لیکن ان سب کو ملا ہے ترا حسنِ ظہور

تیرا خطبہ دہر مین ہے اک پیام اتحاد

تو ہے اِن بے ربط اجزا مین نظام اتحاد

گھر کے فرقِ حسن پر آتی ہے جب تیری گھٹا خود سے شانون پر بکھر جاتی ہے زلف دلربا

کیف مین ڈوبی ہوئی چلتی ہو جب تیری ہوا چونک اُٹھتا ہے شباب انگڑائیان لیتا ہوا

ہوتی ہے محسوس شیرینی سی ہر اک بات مین

شوق بھر دیتا ہے وہ کیفیتین جذبات مین

جگمگاتی ہے ستارون سے تری رنگین جبین اُٹھ نہین سکتی حیا سے تیری چشم شرمگین

برجِ عفت ہے ترے دربار مین مسند نشین تیرے پردے مین جمالِ نوعروسِ نازنین

دل نہ کیون کانپے تری محفل کے سوز و ساز سے

منہ چھپائے سرنگون بیٹھا ہے کوئی ناز سے

کھینچ لیتی ہے دلون کو تیرے سہرے کی بہار میکدے ہون آپ آنکھین تیری وہ خمار

جب یہ صورت ہو، تو دل کو آئے پھر کیونکر قرار ہاتھ مین کنگن ہتھیلی پر حنا، گردن مین ہار!

غش نہ آجائے کسی دیوانۂ انداز کو

اک ذرا روکے ہوئے اپنی نگاہِ ناز کو۔

تیری محفل مین نظر آتی ہے ہر شی خوشنما تیری رسمون مین لگاوٹ، تیری ٹونون مین مزا

جھاڑ نین تارون کی وہ تیری نفیری کی صدا خندۂ حوران جنت وہ صباحِ دلکشا!

وہ دُلہن کے گھر براتی صبح کو جاتے ہوئے

وہ سرون پر طائرِ شیرین نوا گاتے ہوئے

نغمۂ جان تیری موجون کی خوش الحانی مین ہے موتیون کی جگمگاہٹ تیری طغیانی مین ہے

میزبانی کی تجلی، تیری مہمانی مین ہے پاک بچون کا تبسم تیری پیشانی مین ہے

ساز کی جھنکار پوشیدہ ہے تیرے سوز مین

عکسِ فردا ہے، تیرے آئینۂ امروز مین

قطعۂ زرّین

از

جناب حافظ فضل حق صاحب آزاد عظیم آبادی

پوچھا کسی نے زر سے کہ اے مایۂ حیات تیری تلاش مین تو زمانہ ہے خاک بیز

کیا وہ بشر ہے جس کو نہین تیری جستجو وہ گھر ہی کیا ہے جسمین نہ ہو تو ہی جلوہ ریز

تو مجھکو یہ بتا کہ جہانِ خراب مین، کس سے وفاق و صلح تجھے کس سے ہی ستیز

زر نے کہا، کسی سے نہین بحث کچھ مجھے ہان ہے اگر تو اہلِ ضرورت سے ہے گریز

مقالۂ روسو

فرانس کا مشہور علمی و سیاسی انقلاب جن ارباب دماغ کا نتیجہ ہی ان مین روسو کو خاص اہمیت حاصل ہی دنیا کی اکثر مہذب زبانون مین اسکی تصنیفات کے ترجمہ ہوگئے ہین صاحبزادہ ظفر حسین خان سب ڈپٹی انسپکٹر تعلیمات پیلی بھیت نے اس کے ایک اہم رسالہ کا ترجمہ کیا اور دار المصنفین نے شایع کیا ہی، اس رسالہ مین روسو نے علوم کی قدر و قیمت پر ناقدانہ نگاہ ڈالی ہی اس لائق ہی کہ اردو دان اصحاب اِس کا مطالعہ کرین قیمت ۸ر

منیجر

مطبوعاتِ جدیدہ

خطابت و تقریر، لکھنؤ کے متعدد اہل قلم مسلمان بزرگون نے ایک علمی انجمن مسلم اکیڈمی کے نام سے قائم کی ہے جسمین وقتاً فوقتاً جمع ہوکر کسی نہ کسی علمی، تاریخی، ادبی موضوع پر مبادلۂ خیالات کرتے رہتے ہین، یہ چھوٹا سا رسالہ بھی اسی انجمن کے ایک مضمون کی مطبوع صورت ہے، اس کے لکھنے والے جناب مولوی خواجہ شمس الدین احمد صاحب نے اسمین فن خطابت کی خصوصیات، اس کے اُصول اور اسکے حصول کے طریقون کو جامع اور بہتر طریقہ سے بتایا ہے، عربی مین اس فن کے بانی ارسطو کے جو کچھ خیالات اس باب مین ہین وہ سب اسمین آگئے ہین، اسلامی تاریخ مین خطابت کی جسقدر مثالین ملتی ہین ان مین سے بہترین کو خواجہ صاحب نے بطور نمونہ اسمین پیش کیا ہے، بعض جگہ موجودہ خطبار کا تذکرہ بھی آگیا ہے، اس وقت تک اُردو مین اس موضوع پر کوئی کتاب نہین لکھی گئی تھی، اور اگرچہ معارف ہمایون وغیرہ مین بعض تفصیلی مضامین شایع ہوچکے تھے، پھر بھی ایک کتاب کی ضرورت تھی اور ہم خواجہ صاحب موصوف کے ممنون ہین کہ اُنھون نے ایک حد تک ہماری تشنہ لبی کو دور کرنیکی کوشش کی ہے، اب ضرورت ہے کہ کوئی صاحب اس فن پر ایک مستقل کتاب لکھین، یہ رسالہ ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے، لکھائی چھپائی بھی اچھی ہے قیمت ۴ر ملنے کا پتہ منیجر نامی پریس نخاس لکھنؤ،

فغانِ مسلم، سر اقبال نے شکوہ کے طرز کی نظمین لکھکر ملک کے اکثر نوجوانون کے دل مین اس کے تتبع کا خیال پیدا کردیا ہے، فغانِ مسلم بھی جناب ابونعیم عبد الحکیم خان صاحب نشتر کی اسی قسم کی ایک نظم ہے جو شکوہ کے مطالعہ کے بعد لکھی گئی ہے، ابتدا مین نشتر صاحب کی تصویر ہے، اس کے بعد میر صاحب افرزی کا چند صفحون کا دیباچہ جو بعض مقامات پر ناقابل فہم ہوگیا ہے، اس "فلسفیانہ" مقدمہ کے بعد ہمکو جناب

لسان العصر اکبر مرحوم، ڈاکٹر سر اقبال، مولینا عبد الحلیم شرر، مولوی عبد الماجد صاحب بی، اے مولوی عبد السلام صاحب ندوی اور جناب سالک کی آرا نظر آتی ہین، نفس نظم و مضمون پر ہے، اس کے متعلق ہماری بھی رائے ہے جو آج سے ۱۳ سال پہلے سر اقبال ظاہر کرچکے ہین، "آپ کی نظم فغانِ مسلم خوب ہے،" قیمت ۱۰ر ایس کے عزیز اینڈ کو نیر انوالہ گیٹ لاہور سے طلب کیجئے۔

ہندو تیوہارون کی اصلیت، منشی رام پرشاد صاحب بی۔ اے علی گڈھ کالج کے اس وقت کے طالب علم ہین جب کہ مولنا شبلیؒ وہان فارسی کے اُستاد تھے، منشی صاحب نے مولانا مرحوم ہی سے فارسی پڑھی تھی، یہ کتاب ہندو تیوہارون کے متعلق ہے کہ ہندوؤن کے اکثر تیوہار جغرافی حیثیت سے منائے جاتے ہین، شروع مین متعدد اہم دیوتاؤن کے حالات اور انکی مابہ الامتیاز صفات و خصائص کا ذکر ہے اس کے بعد تمام عالم کی عموماً اور ہندوستان کی خصوصاً جغرافی حالت بتانے کی کوشش کی گئی ہے، اور اس کے خاتمہ پر مختلف تیوہارون کا جغرافی حالات سے اشتراک اور اُن کی رسوم وغیرہ بتائی گئی ہین مصنف کا دعویٰ ہے کہ "افسوس ہے کہ اس مضمون کے لکھنے مین مجھے کسی کتاب سے مدد نہین ملی" تاہم تہوارونکے متعلق معلومات حاصل کرنے والون کے لئے بیحد مفید و دلچسپ ہے طریقۂ بیان بھی اچھا ہے ۱۰۲ صفحات پر مشتمل ہے، لکھائی چھپائی بھی قابل شکایت نہین، مصنف سے گورنمنٹ ہائی اسکول اٹیہ کے پتہ سے مل سکتی ہے،

وہ جانور جو نظر نہین آتے، یہ کتاب بھی منشی رام پرشاد صاحب ہی کی تصنیف ہے، اس مین مصنف نے اُن کیڑون کے حالات بتانے کی کوشش کی ہے، جو ہم کو یون نظر نہین آتے، اور ہم صرف خوردبین کے ذریعہ دیکھ سکتے ہین، ابتدا مین مصنف نے حیاتیات (BIOLOGY) کے متعلق ابتدائی مسائل لکھے ہین، چونکہ مصنف تعلیمی محکمہ مین ہین اور وہ جانتے ہین کہ طلبہ کو کس طریقہ سے سمجھایا جاسکتا ہے، اسی لئے انھون نے اسی طریقہ سے نہایت سہل زبان مین واقعات لکھنے کی کوشش کی ہے ابتدائی معلومات

حاصل کرنے والون کے لئے نیز طلبہ کے لئے یہ رسالہ مفید ہے، قیمت ۴؍ لکھائی چھپائی عمدہ ہے، مذکورۂ بالا پتہ سے یہ بھی مل سکتی ہے،

حکایات پنجاب، عرصہ ہوا اے فلورا اسٹیل (A. S. Flora Steel) نے ٹیلس آف دی پنجاب (Tales of the Punjab) لکھی اور میکلین کمپنی کلکتہ نے اسے شایع کیا تھا، اب اسی کتاب کو جناب سید عبد القادر صاحب ایم۔ اے پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور نے اردو کا جامہ پہنایا اور اسی کمپنی نے شایع کیا ہے، اس قسم کے افسانون سے بظاہر بچون کا دل بہلایا جاسکتا ہے، لیکن درحقیقت اُن سے ملک کے ذہنی کیفیت کا بھی پتہ چلتا ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح سے ملک مین بھوت، جن فوق الفطرت قوت طلسمات، کا خیال موجود ہے، اور رسم محبت، طرز سفر، طریقۂ زندگی وغیرہ کیا تھا انھین خیالات کو مدنظر رکھکر لال بہاری ڈے نے حکایات بنگال اور ایک دوسرے صاحب نے شیخ چلی کے نام سے قصص ہند لکھین، ماہرین تعلیم نے بچون کی اس ذہنی کیفیت کو دیکھکر کہ وہ حکایات کے بہت مشتاق ہوتے ہین ایسے قصے لکھے جن سے ان مین حب الوطنی، بلند ہمتی، وغیرہ کے جذبات پیدا ہون لیکن اس کتاب کا دلچسپی کے علاوہ اس قسم کا کوئی مقصود نہین، اس کتاب مین ۱۵ مختلف افسانے ہین، ترجمہ سلیس ہے لکھائی چھپائی بھی اچھی ہے، کتاب چھوٹی تقطیع کے ۲۰۸ صفحون پر مشتمل ہے، اور میکلین کمپنی بُو بازار کلکتہ کے یہان ۱۲؍ کو مل سکتی ہے،

ایک جگہ اس کتاب مین طوعاً وکرہاً کو طوہا وکرعا لکھا گیا ہے، معلوم نہین یہ مترجم کی یا کاتب کی غلطی ہے، بہرحال قابل اصلاح ہے،

مجلد چہاردہم | ماہ جمادی الاول سنہ ۱۳۴۳ھ مطابق ماہ دسمبر سنہ ۱۹۲۴ء | عدد ششم

مضامین

تصحیح

نومبر کے معارف کے صفحہ ۳۳۰ کے آخری ۳ سطر مین "کم" کا لفظ زائد ہے، ناظرین تصحیح کر لین، و نیز صفحہ ۳۴۴ مین سخاوت، سخاوت، فیضانی، فیاضی اور صفحہ ۳۴۱ مین حرمت کی پھول حرمت کے پھول اور رستم، رستم ہو نا چاہئے،